نورالحبیب ۲۰۰۴

جلد ۱۷

محبتِ رسولؐ و زکوٰۃ

ایمان بالرسول ﷺ -- مفہوم اور تقاضے

حافظ محمد سعد اللہ

ہر مسلمان اور کلمہ گو اگر چہ ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول یعنی اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتا اور مومن و مسلم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، تاہم ایمان بالرسول ﷺ کے مفہوم و معنی اور اس کے اعتقادی و عملی تقاضوں کی طرف بہت کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔ جب کہ مشرکین مکہ اہل لسان ہونے کے ناتے ایمان بالرسول ﷺ کی حقیقت اور تقاضوں سے بھی بہ خوبی آگاہ تھے۔ چناں چہ ایمان بالرسول ﷺ کے تقاضوں سے اسی واقفیت و آگاہی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ رسول مقبول حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی خاندانی عظمت، آباؤ اجداد کی بزرگی، انوکھے بچپن، منفرد لڑکپن، دور جاہلیت کے بے لگام معاشرے میں بھی بے داغ جوانی، مثالی پاکیزگی اخلاق و کردار اور چالیس سال کے شب و روز سے اچھی طرح واقف ہونے اور آپ ﷺ کی امانت و صداقت کا اعتراف کرنے کے باوجود ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ ابوجہل سمیت متعدد رؤساءِ مکہ منہ مانگے معجزات دیکھنے کے باوجود آخر دم تک اسلام نہ لائے اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل

مکہ فتح مکہ تک اسلام قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے رہے۔

اسلام جیسے آسان، انسانی عزت وحرمت کے پاسبان، انسانیت کی ہمہ پہلوترقی کے ضامن اور فطری وعقلی دین کو قبول کرنے میں عرب کے بڑے بڑے دانش وروں کو جو اتنی دیر لگی تو راقم الحروف کے خیال میں اس کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ منافقانہ اور ظاہری وزبانی قسم کا ایمان لانا نہیں چاہتے تھے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں میں بیسیوں قسم کی اعتقادی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں پائی جاتی تھیں، مگر کم از کم اس چیز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ سچے اور سُچے لوگ تھے، وہ منافق نہیں تھے، ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ایمان بالرسول ﷺ کا زبانی اقرار واعتراف بھی کریں اور عملی طور پر اس کے تقاضے، لوازم اور مطالبے بھی پورے نہ کریں۔ وہ شاید علامہ اقبال کے الفاظ میں ''مشکلات لا الٰہ'' کو جانتے تھے، اسی وجہ سالوں تک اسلام قبول کرنے میں پس وپیش کرتے رہے۔

اس کے برعکس ہم عجمی مسلمانوں کا بالعموم طرزِ عمل اور سوچ اس بات کی غماز ہے کہ عملی طور پر چاہے ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے دینی، معاشرتی، تہذیبی، معاشی، کاروباری، معاملاتی، تعلیمی، اخلاقی، روحانی اور حکومتی تقاضوں میں سے کوئی ایک تقاضا بھی عملاً پورا نہ کریں، اس کے باوجود ہم پکے مومن اور سکہ بند عاشق رسول ہونے کے دعوے دار ہیں۔ شاید اسی صورت حال کے پیش نظر شاعر مشرق کو کہنا پڑا تھا:

زباں نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بہرحال تجدید ایمان اور اپنی ایمانی حالت کا جائزہ لینے کی خاطر ذیل میں ''ایمان بالرسول ﷺ کے مفہوم اور تقاضوں'' پر تھوڑی سی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یادرہے ایمان بالرسول ﷺ کی فرضیت و وجوب کے نقلی وعقلی دلائل کو اختصار کے مدنظر زیر بحث نہیں لایا گیا، چنانچہ مشہور محدث وسیرت نگار قاضی عیاض علیہ الرحمہ ایمان بالرسول ﷺ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَ الْاِیْمَانُ بِہٖ ھُوَ تَصْدِیْقُ نُبُوَّتِہٖ وَ رِسَالَۃِ اللّٰہِ لَہٗ وَ تَصْدِیْقُہٗ فِیْ

جَمِیْعِ مَا جَاءَ بِہٖ وَ مَا قَالَہٗ وَ مُطَابَقَۃُ تَصْدِیْقِ الْقَلْبِ بِذٰلِکَ شَھَادَۃَ اللِّسَانِ بِأَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاِذَا اجْتَمَعَ التَّصْدِیْقُ بِہٖ بِالْقَلْبِ وَ النُّطْقِ بِالشَّھَادَۃِ بِذٰلِکَ بِاللِّسَانِ تَمَّ الْاِیْمَانُ بِہٖ وَ التَّصْدِیْقُ لَہٗ'' -----[۱]

''اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ ﷺ اللہ کے منتخب رسول (پیغمبر) ہیں اور ان تمام حقائق واحکام کی جو آپ ﷺ (قرآن وسنت کی شکل میں) لائے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا (آپ ﷺ کی زبان سے نکلا) اس کی تصدیق کی جائے، پھر اس چیز کی قلبی تصدیق کے ساتھ ساتھ زبانی گواہی کی مطابقت بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی قلبی تصدیق اور زبانی اقرار جمع ہوں گے، تب آپ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی تصدیق کا مرحلہ مکمل ہوگا'' -----

اس معنی ومفہوم سے ایمان بالرسول ﷺ کے درج ذیل تین بڑے اور جامع قسم کے تقاضے مترشح ہوتے ہیں:

۱......حضور اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کی تصدیق۔

۲......آپ ﷺ جو کچھ لائے اور جو کچھ زبانِ نبوت سے فرمایا، اس کو سچ سمجھنا۔

۳......نبوت ورسالت محمدی ﷺ کی قلبی تصدیق اور زبانی اقرار

نبوت ورسالت محمدی ﷺ کی تصدیق

یہ بات اسلام کے مسلمہ اور بدیہی عقائد میں شامل ہے اور قرآن وسنت کی متعدد نصوص سے ثابت ہے کہ ''نبوت ورسالت'' انسانیت کی ہدایت اور بندگانِ خدا تک اللہ تعالیٰ جل شانہ کی پیغام رسانی کا وہ عظیم منصب اور اتنی عظیم گراں اور اہم ذمہ داری ہے، جس کے لیے اللہ کریم نے غیر معمولی صلاحیتوں اور انتہائی استعداد کے حامل لوگوں کا انتخاب فرمایا۔ یہ منصب محض عطیہ وفضل الٰہی اور موہبت ربانی ہے۔ یہ کوئی کسبی وموروثی چیز نہیں کہ کوئی آدمی اپنی عبادت وریاضت، مجاہدے یا دنیوی جاہ وجلال، مال ومنال اور حکومت واقتدار یا وراثت کے طور پر حاصل کر لے اور نہ ہر کس و

ناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ اہلِ مکہ نے جب یہ کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی اسی طرح کی آیات و معجزات نہیں دیے جاتے جس طرح کے رسول مقبول ﷺ کو عنایت ہو رہے ہیں، تو اللہ کریم نے واضح فرمایا:

﴿اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ﴾----[سورۃ الانعام،۱۲۴]

''اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ منصب رسالت کا اہل کون ہے''-----

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾----[سورۃ الحج،۷۵]

''اللہ کریم بعض ملائکہ اور بعض انسانوں کو بطور رسول (پیغمبر) چن لیتا ہے''-----

لہٰذا حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس بات کی تصدیق کی جائے کہ آپ ﷺ کا دعوائے نبوت و رسالت سو فیصد سچ ہے، آپ ﷺ پر جو قرآن مجید نازل ہوا ہے وہ واقعی اللہ کریم کا کلام ہے، آپ ﷺ کا ہر نطق، وحی الٰہی ہے اور آپ ﷺ واقعی اللہ تعالیٰ کے منتخب مصطفیٰ مجتبیٰ محبوب اور آخری رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے معاملے میں شک و تردد تو بہت دور کی بات ہے، آپ ﷺ کے کسی معاملے میں فیصلے کو بھی اگر شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور کوئی فریق اس فیصلے سے تنگ دل ہوگا اور پورے شرح صدر اور خندہ پیشانی سے اس کو قبول نہیں کرے گا تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ چنانچہ بڑی تاکید اور زوردارانہ انداز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾----[سورۃ النساء،۶۵]

''سو آپ (ﷺ) کے پروردگار کی قسم ہے، یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اس جھگڑے میں جو ان کا آپس میں ہو، آپ کو حاکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ فرما دیں اس سے اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں''-----

فقہاء ومفسرین نے اس آیت کریمہ سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَ فِیْ ھٰذِہِ الْآیَۃِ دَلَالَۃٌ عَلٰی مَن رَدَّ شَیْئًا مِّنْ أَوَامِرِ اللّٰہِ تَعَالٰی أَوْ أَوَامِرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَھُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْاِسْلَامِ سَوَاءٌ رَدَّہٗ مِنْ جِھَۃِ الشَّکِّ أَوْ مِنْ جِھَۃِ تَرْکِ الْقُبُوْلِ وَ الْاِمْتِنَاعِ مِنَ التَّسْلِیْمِ ''-----[۲]

''اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلالت موجود ہے کہ جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کے اوامر یا رسول اللہ ﷺ کے اوامر (احکام) میں سے کسی چیز کو رد کیا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یہ رد کرنا چاہے شک کی جہت سے ہو اور چاہے قبول نہ کرنے اور قبول کرنے سے روکنے کی جہت سے ہو''-----

یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر جوشِ ایمان میں اور ایمانی غیرت وحمیت کے باعث جب رسول مقبول ﷺ کے فیصلے یعنی آپ ﷺ کے قریش مکہ کی اہانت آمیز شرائط صلح کو قبول کر لینے پر تھوڑے سے تردّد کا اظہار ہو گیا تو اس کی تلافی کے لیے مدتوں نوافل اور صدقات ادا کرتے رہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی جو شرائط کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان طے پا رہی تھیں، وہ بظاہر اہانت آمیز اور کمزوری کا مظہر تھیں، مثلاً یہ کہ امسال مسلمان مکے میں داخل نہیں ہوں گے اور نہ عمرہ کریں گے، بلکہ آئندہ سال عمرے کے لیے صرف تین دن مکہ میں ٹھہر سکیں گے۔ اسی طرح دس سالہ جنگ بندی کی مدت کے دوران اگر قریش میں سے کوئی شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے پاس چلا جائے گا تو اسے واپس نہ کریں گے، وغیرہ۔

ان شرائط میں اگرچہ ایک ''فتح مبین'' اور ''خیر عظیم'' پنہاں تھی، مگر اس تک رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی نظر نہیں پہنچ رہی تھی، اس لیے کفر کے مقابلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت صحابی سے کس طرح ضبط ممکن تھا، چناں چہ وہ بے چین ہو کر رسول مقبول ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا:

''کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟''-----

آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیوں نہیں''-----

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا:

''تو آخر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں اختیار کریں''-----

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ میرا مددگار ہے''-----

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پھر بھی صبر نہ ہوا، جا کر یہی سوالات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کیے، انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے مگر بعد میں فرمایا کرتے تھے:

فَعَمِلْتُ لِذٰلِکَ أَعْمَالًا-----[۳]

''میں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) اس گستاخی اور جرأت کی تلافی کے لیے کئی اعمال (نفلی نماز، روزے، صدقات وغیرہ) کیے''-----

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اعتقاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اس طرح جم گیا تھا جس طرح پتھر پر لکیر ہو، اس لیے وہ کسی حالت میں بھی اس کو مٹنے نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک مثال کا ظہور صلح حدیبیہ کے موقع پر یوں ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب صلح نامہ کی عبارت لکھی اور اس میں لکھا:

''یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور قریش مکہ کے درمیان طے پایا''-----

تو سفیر مکہ نے کہا:

''سارا جھگڑا تو ''محمد رسول اللہ'' کا ہے، اگر ہم یہ بات تسلیم کر لیں تو پھر جھگڑا کاہے کا؟ اس لیے ''محمد بن عبداللہ'' لکھا جائے''-----

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ حکمت و مصلحت یہ شرط منظور کر لی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''محمد رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیں''-----

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے، اس کے باوجود حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایمانی غیرت نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ ان الفاظ کو مٹا دیں

اس لیے عرض کیا:

لَا وَاللّٰہِ لَا اُمْحُوْکَ اَبَدًا----[۴]

''نہیں اللہ کی قسم میں آپ (ﷺ) کا نام نامی کبھی نہیں مٹاؤں گا''-----

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس ایمانی کیفیت اور ایمان بالرسالۃ میں حد درجہ شدت کے طبعی عذر کو ملاحظہ فرماتے ہوئے خود ان الفاظ کو مٹا دیا اور ''محمد بن عبداللہ'' لکھ کر معاہدۂ صلح کو مکمل کرایا۔

رسول اکرم ﷺ جو کچھ لائے اور جو کچھ فرمایا، اس کی تصدیق

''ایمان بالرسالۃ'' کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے پیغمبر خدا ہونے کے ناتے جن جن حقائق کی خبر دی ہے، چاہے وہ ہمارے ادراک و احساس سے ماورا حقیقتیں ہی کیوں نہ ہوں، سب کچھ اس لیے ماننا اور تصدیق کرنا کہ ان کی خبر رسول مقبول ﷺ نے دی ہے۔ مثلاً ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات، ملائکہ، وحی الٰہی، برزخ، عذاب قبر، یوم محشر، حیات بعد الممات اور جنت و دوزخ کی خبر وغیرہ۔ کیوں کہ دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلاتِ ادراک کی حدود سے ماورا ہوں، جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم و ہدایت اللہ کی طرف سے لائیں، ہم ان کو سچا مان کر اور ان پر اعتماد کر کے اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کریں۔

پیغمبر ﷺ کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے، پس آدمی کے مومن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ''کُلُّ مَا جَاءَ بِهَا الرَّسُوْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ''یعنی ان تمام چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے، کی تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔

جہاں تک ایمان بالرسالۃ کے لیے آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے نکلی ہوئی کسی بھی بات کی تصدیق اور اس کو سچ جاننے کا تعلق ہے تو یہ وہ مسلمہ حقیقت ہے جس میں مسلمان تو در کنار کفار مکہ کو بھی ذرہ بھر شک نہ تھا، چناں چہ اعلان نبوت کے تین سال بعد اعلانیہ دعوت اسلام دینے کے لیے جب رسول مقبول ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قبائل کو جمع ہونے کی آواز دی اور

سب کے جمع ہونے پر پوچھا کہ:

''اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس وادی (پہاڑ) کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا اور شب خون مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟''-----

سب نے بیک آواز جواب دیا:

''ہاں کیوں کہ ہم نے آپ کی زبان سے سچ کے سوا کبھی کوئی بات نہیں سنی..........الخ''-----[۵]

اسی طرح رئیس مکہ ابوسفیان بن حرب اموی سے (جب کہ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے) ھرقل شاہ روم نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جب یہ سوال پوچھا:

فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ-----[۶]

''کیا تم نے پیغمبر اسلام (ﷺ) کے دعوائے نبوت سے پہلے کبھی انہیں جھوٹ بولتے سنا ہے؟''-----

تو ابوسفیان کو کہنا پڑا کہ:

''لا (نہیں)''-----

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رسول اکرم ﷺ کے ہر قول اور آپ ﷺ کی زبان نبوت سے نکلی ہوئی ہر بات پر ایمان و یقین کا جو عالم تھا (جس کی متعدد مثالیں حدیث اور تذکرہ کی کتابوں میں ملتی ہیں) اس کے متعلق اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا اور سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو سکتا تھا مگر حضور ﷺ کی زبان سے نکلی ہوئی بات غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ چناں چہ اسی کمال درجہ کے ایمان بالرسالۃ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''صدیق'' کا خطاب دیا تھا۔ اور بھی متعدد مثالیں ہیں، جن کا احاطہ مقصود نہیں۔ بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

[1] سنن نسائی میں ہے، ایک بار حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ اہل و عیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ آدمی خراسان میں مر جائے اور اہل و عیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ کے خیال میں ان پر خراسان

میں عذاب ہوگا؟ اس تکذیب نما سوال پر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے جوشِ ایمان میں فرمایا:

صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ كَذَبْتَ أَنْتَ----- [۷]

''رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے''-----

[2] ایک بار رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا:

''آئندہ زمانے میں اسلام اتنی ترقی کرے گا اور پھیلے گا کہ تمہاری مختلف جماعتیں قائم ہو جائیں گی، کوئی جماعت شام میں رہے گی، کوئی یمن میں اقامت پذیر ہوگی اور کوئی عراق میں سکونت اختیار کرے گی''-----

اس پیشین گوئی پر حضرت ابن حوالہ رضی اللہ عنہ اس وثوق کے ساتھ ایمان لائے کہ آپ ﷺ سے درخواست کی کہ:

''مبادا میں بھی اس زمانہ تک زندہ رہوں، اس لیے آپ ﷺ خود میری اقامت گاہ متعین فرما دیجیے''-----

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ.........-----

''تمہارے لیے شام میں رہنا لازم ہے...... کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے کھنچے چلے آئیں گے''------ [۸]

[3] ایک بار آپ ﷺ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لیے اس کو ساتھ لے چلے، لیکن آپ ﷺ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور بدو پیچھے رہ گیا۔ جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس کو خرید لیا ہے، وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے، خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا:

''لینا ہو تو لے لیجیے، ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں''-----

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم نے اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے''-----

بولا نہیں، اگر گواہ ہو تو لائیے۔ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اگرچہ بیع کے موقع پر موجود

نہ تھے، تاہم کہا:

''میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے آپ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کر دیا ہے'' -----

حضور ﷺ نے پوچھا:

''تم نے کیوں کر شہادت دی؟'' -----

عرض کیا:

''آپ کی تصدیق کی بنا پر'' -----

اس موقع پر ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کی اکیلی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔[۹]

[4] صحابہ کرام ؓ کے عہد میں بچہ بچہ یہ راسخ عقیدہ رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکل جائے گا، اس کے خلاف نہ ہوگا۔ چناں چہ ایک بار آپ ﷺ نے اپنے خادم حضرت انس ؓ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک یتیم بچی کو از راہ مزاح فرمادیا:

''تو بہت بڑی ہوگئی ہے، تیری عمر زیادہ نہ ہو'' -----

وہ روتی ہوئی حضرت ام سلیم کے پاس آئی اور کہا کہ آپ ﷺ نے مجھ کو یہ دعا دی ہے، اب میرا سن ترقی نہ کرے گا۔ وہ فوراً حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ آپ ﷺ نے میری یتیمہ کو یہ دعا دے دی۔ آپ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا:

''ام سلیم! تجھے یہ معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب سے یہ شرط رکھی ہے کہ (بارالہا!) میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں، پس جس کو میں ایسی دعاء ضرر دوں، جس کا وہ مستحق نہیں، تو یہ دعا اس کے لیے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہوگی'' -----[۱۰]

نبوت و رسالت محمدی ﷺ کی قلبی تصدیق اور زبانی اقرار

ایمان بالرسالۃ کی مذکورہ بالا تعریف کے مطابق اس کا تیسرا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی قلبی تصدیق کے ساتھ زبان سے اقرار بھی کیا جائے، اس کے بغیر ایمان مکمل

نہیں ہوتا۔ تصدیق میں زبان اور دل کی ہم آہنگی تکمیل ایمان کا ذریعہ اور محمود و مطلوب حالت ہے، جب کہ بدترین حالت یہ ہے کہ آدمی زبان سے تو آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے مگر اس کا دل اس شہادت کی تصدیق نہ کرے، اسی کیفیت کا نام شریعت کی اصطلاح میں نفاق ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَ اللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکَاذِبُوْنَ﴾----[سورہ المنافقون:۱]

''جب آپ (ﷺ) کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (ﷺ) بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ (ﷺ) بلاشبہ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافقین (اس زبانی دعویٰ) میں قطعاً جھوٹے ہیں''-----

ایسے لوگ جو دل سے نبوت و رسالت کی تصدیق نہیں کرتے لیکن زبان سے اقرار کرتے ہیں تو عند اللہ ایسے لوگ کافر ہیں اور آخرت میں کفار کے ساتھ جہنم کے نچلے درجے میں جائیں گے، البتہ اسلام کا حکم ان پر باقی رہے گا کیوں کہ انہوں نے اعلانیہ زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کیا ہے، اسی بنیاد پر ان پر مسلمانوں کے تمام دنیوی احکام جاری کیے جائیں گے کیوں کہ انسان کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس کی مدد سے وہ لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کرلے اور نہ انسان کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ دل کے ایمان کا کھوج لگائے۔[۱۱]

دیگر تقاضے

محبت رسول ﷺ

ایمان بالرسالۃ کے دیگر اکمالی اور ضروری تقاضوں میں ایک تقاضا یہ ہے کہ آں جناب ﷺ کی ذات والاشان اور آں جناب ﷺ کی ذات سے تعلق و نسبت رکھنے والی ہر چیز سے تمام قریبی رشتوں، دنیاو مافیھا کی ہر چیز حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت رکھی جائے۔ یہ وہ لازمی تقاضا ہے جس کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث کی بیسیوں نصوص، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوال آئمہ مجتہدین رحمھم اللہ تعالیٰ گواہ ہیں، جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

اس والہانہ محبت رسول اللہ ﷺ کے بغیر ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، نہ ایمان میں وہ حلاوت ولذت اور عزیمت واستقامت پیدا ہوتی ہے جو راہ اسلام میں پیش آنے والی صبر آزما مشکلات اور آزائشوں کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں محبت رسول ﷺ ایمان کی روح ہے اور اس کے بغیر جملہ اعمال اور مقامات واحوال بے جان ڈھانچہ ہیں۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا ہے:

مغز قرآن، روح ایماں، جانِ دین
ہست حب رحمۃ للعالمین

تعظیم و توقیر نبوی ﷺ

اسی طرح رسول محتشم ﷺ اور آپ ﷺ کی طرف منسوب ہر چیز کی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تعظیم وتوقیر بھی ''ایمان بالرسالۃ'' کا لازمی مطالبہ ہے۔ یہ ایسا لازمی تقاضا ہے کہ اگر اس کا لحاظ نہ کیا جائے تو تمام عبادات اور اعمال صالحہ کے اکارت جانے کا خدشہ وشائبہ ہی نہیں، بلکہ یقینی امر ہے۔ اس کے دلائل سے بھی قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں، جن کی تفصیل کی یہ مختصر تحریر متحمل نہیں ہوسکتی۔

اطاعت واتباع نبوی ﷺ

علیٰ ہذا القیاس، ہر حالت میں اور ہر قیمت پر سفر زندگی کے قدم قدم اور ہر موڑ پر نبی رحمت ﷺ کی اطاعت واتباع بھی ''ایمان بالرسالۃ'' کا بنیادی تقاضا ہے۔ قرآن وسنت اور فقہی اعتبار سے یہ وہ بنیادی تقاضا ہے جس کے بغیر نہ قرب الٰہی اور ولایت کا درجہ حاصل کیا جاسکتا ہے، نہ دنیا میں قلبی اطمینان وسکون اور ہمہ جہتی عزت ووقار حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ اخروی کامیابی پائی جاسکتی ہے، علاوہ ازیں ایمان بالرسول ﷺ اور حب رسول ﷺ کا دعویٰ کرنا اور معاملات زندگی میں رنگ وبوئے نبوی ﷺ کی جھلک نہ آنا، دین کے ساتھ ایک قسم کا مذاق اور دنیائے کفر کو اسلام سے متنفر اور مزید دور کرنے کا افسوس ناک رویہ ہے۔

بدقسمتی سے اس وقت مسلمان عوام سے لے کر سربراہان حکومت اور دین کے دعوے داروں کی اکثریت (الا ماشاء اللہ) اسی دینی مذاق، عملی منافقت اور دوغلی پالیسی کا شکار ہیں، جس کا نتیجہ

یہ ہے کہ ہرسو ذلت وخواری اور پستی وغلامی اور کمزوری امت مسلمہ کا مقدر بنتی جا رہی ہے۔ معیشت و معاشرت، تجارت، مزارعت، معاملات، لین دین، خوشی غمی، تہذیب، تمدن، ثقافت، تفریح، حکومت، سیاست، سفارت، وزارت، صدارت، بین الاقوامی تعلقات و معاملات سے لے کر عبادات، تصوف، روحانیت، تعلیم وتدریس، وعظ ونصیحت، امامت وخطابت اور مدارس وجامعات تک زندگی کا کون سا ایسا شعبہ اور پہلو ہے، جس میں نبی رحمت ﷺ نے دنیوی واخروی فلاح کا ضامن اسوۂ حسنہ اور کامیابی کی ضامن تعلیمات و ہدایات نہ چھوڑی ہوں، مگر بدقسمتی اور سوئے اتفاق سے امت مسلمہ کی موجودہ افسوس ناک اور ناگفتہ بہ صورت حال یہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق مسلمانوں کی اکثریت اگرچہ اس شعبہ میں تعلیمات و ہدایات نبوی ﷺ کی صداقت کا زبانی تو اقرار واعتراف کرتی ہے مگر عملی طور پر ان کو اپنانے، قانون کا درجہ دینے، نظام حکومت کا حصہ بنانے اور مذہبی تقریبات ومعاشرتی رسوم کی جگہ دینے کے لیے محض اس لیے تیار نہیں کہ تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی میں خواہشات نفس کی تکمیل نہیں ہوتی، حظ نفس حاصل نہیں ہوتا، نام نمود اور شہرت کے حصول میں فرق آتا اور ذاتی، گروہی، مسلکی، مالی، حکومتی اور سیاسی مفادات پر زد پڑتی ہے۔ ظاہر ہے اور یقینی بات ہے کہ امت مسلمہ کے عوام بالعموم اور علماء ومشائخ وحکمران بالخصوص جب تک نام نہاد مصلحت وحکمت پر مبنی اس بزدلانہ اور منافقانہ طرز عمل کو چھوڑ کر ڈنکے کی چوٹ اور ہر خوف وطمع سے بے نیاز ہو کر تعلیمات وہدایات نبوی ﷺ کی تصدیق نہیں کرتے اور ہر قیمت پر عملی جامہ پہنانے کی جرأت نہیں کرتے، موجودہ من حیث الامۃ ذلت واہانت آمیز صورت حال سے نجات نہیں پائی جاسکتی۔ شاید ایسی ہی صورت حال کے لیے کہا گیا ہے:

ترجوا النجاة و لم تسلک مسالکها
ان السفينة لا تجری علی اليبس

''اے مخاطب! تو نجات کی امید رکھتا ہے مگر اس کے حصول کے متعین راستوں پر چلنے کی کوشش نہیں کرتا، تو یاد رکھ تیری یہ امید کبھی پوری نہیں ہوگی کیوں کہ کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلا کرتی''۔۔۔۔۔

یہ بات دعوائے ایمان ومحبت، بلکہ انصاف کے بھی خلاف ہے کہ آدمی اظہار محبت کے طور پر محافل، جلسے جلوسوں، اشتہاروں، سٹکروں اور نعروں جیسے آسان اور مباح درجہ کے طریقہ ہائے محبت پر تو بڑا زور لگائے، مگر زندگی میں ہر موقع اور ہر قدم پر دل وجان سے حضور ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کے رنگ میں رنگے جانے کے فرض وواجب حکم پر عمل کرنے سے شرم وعار محسوس کرے یا کسی قسم کی نرمی، سستی، مداہنت اور چشم پوشی کا مظاہرہ کرے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

گر نہ داری از محمد رنگ و بو

از زبان خود میالا نام او

اسلام میں حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ ومقام العیاذ باللہ کسی ''بابائے قوم'' کا نہیں کہ اس کی ولادت وبرسی پر بھرپور انداز میں خراجِ عقیدت پیش کر دیا جائے اور اس کے قصیدے پڑھ دیے جائیں، بس اللہ اللہ خیر سلا۔ سچی بات یہی ہے کہ محبت نبوی میں ابھی کمی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ:

لو کان حبک صادق لاطعته

ان المحب لمن یحب مطیع

''اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو آپ ﷺ کی اطاعت کرتا، کیوں کہ محبّ ہمیشہ اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوا کرتا ہے''-----

علاوہ ازیں خالصتاً مادی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو اسلامی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ اللہ کریم نے ہر قسم کی عزت اور کامیابی وکامرانی اتباع نبوی ﷺ میں ہی رکھی ہے۔ اس حوالے سے تمام نصوص وواقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر

بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

حوالہ جات

۱ قاضی ابوالفضل عیاض، الشفاء شریف، حقوق مصطفیٰ، مکتبہ تجاریہ، مصر، جلد۲، صفحہ۳

۲ ابوبکر جصاص، احکام القران، جلد۲ صفحہ ۲۶۰ مطبوعہ مصر ۱۳۴۷ھ (تحت آیت)

۳ (الف) صحیح بخاری (کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد و

المصالحة...... الخ)طبع کلاں کراچی، جلد۱، صفحہ ۳۸۰

(ب) صحیح مسلم(باب صلح الحدیبیہ)طبع کلاں قدیمی کتب خانہ کراچی، جلد۲، صفحہ ۲۶

۴ (الف) بخاری(کتاب الصلح باب کیف یکتب هذا)طبع کلاں کراچی، جلد۱، صفحہ ۳۷۲

(ب) صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب صلح الحدیبیہ

(ج) مشکوٰۃ المصابیح(باب الصلح)سعید کمپنی کراچی، صفحہ ۳۵۵

۵ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) صحیح بخاری طبع کلاں کراچی، جلد۲، صفحہ ۷۰۲

(ب) صحیح مسلم، طبع کلاں کراچی، جلد۱، صفحہ ۱۱۴

(ج) جامع ترمذی، طبع کلاں کراچی، صفحہ ۴۵۸

(د) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، طبع بیروت، ۱۳۸۰ھ جلد۱، صفحہ ۲۰۰

(ھ) بلاذری، انساب الاشراف، مصر، جلد۱، صفحہ ۱۲۰تا۱۲۱

(و) ابن کثیر، البدایہ و النهایہ، جلد۳، صفحہ ۳۸

۶ صحیح بخاری(باب کیف کان بدء الوحی)جلد۱، صفحہ ۴

۷ سنن نسائی(کتاب الجنائز باب النیاحة علی المیت)جلد۱، صفحہ ۸۹، طبع کلاں کراچی

۸ سنن ابی داوٗد(کتاب الجهاد باب فی سکنی الشام)جلد۱، صفحہ ۳۳۶

۹ سنن ابی داوٗد(کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق شهادة الواحد الخ)جلد۲، صفحہ ۵۱۸

۱۰ صحیح مسلم(کتاب البر و الصلة باب من لعنه النبی او سبه...... الخ) جلد۲، صفحہ ۳۲۴

۱۱ تفصیل کے لیے دیکھیے قاضی عیاض، الشفاء، جلد۲، صفحہ ۴-۵



رسول مکرم شہ انبیاء ﷺ

لبوں پر سجا نام شاہ شہاں کا
ہوا ''نعت'' ہر لفظ میرے دہاں کا

کھلے ان کی یادوں کے غنچے سراسر
کھلا جیسے دروازہ باغ جناں کا

اُتر آئیں صحن چمن میں بہاریں
رہا ڈر نہ کوئی بھی باد خزاں کا

وہ جس قافلے کے بھی رہبر ہوئے ہیں
ہر اک سمت شہرہ ہے اُس کارواں کا

رسول مکرّم شہ انبیاء نے
رکھا دل ہمیشہ دل آزردگاں کا

ہوئے منکشف ان پہ سرّ زمینی
کھلا ان پہ ہر ایک راز آسماں کا

میں واحدؔ غلام شفیع امم ہوں
نہیں خوف مجھ کو کوئی این و آں کا

ﷺ

صاحبزادہ ابوالحسن واحدؔ رضوی



محبتِ رسول ﷺ ضروری کیوں؟

آس محمد سعیدی

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

ہر انسان کو یہ بات اپنے دل ودماغ میں راسخ کر لینی چاہیے کہ حضور اکرم نور مجسم رحمت عالم ﷺ کی ذات اقدس اصل دین ہے، آپ ﷺ کی محبت شرط ایمان ہے، جس دل میں آپ کی محبت نہیں، وہ ویران ہے۔ مطالع المسرات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی محبت اللہ رب العزت کی محبت کے لیے شرط ہے، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ پہلے سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لال، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت کرے۔ سعادۃ الدارین اور الابریز میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ نیز ہر ذی شعور انسان پر یہ بات عیاں ہے کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں محبت رسول کا غلبہ رہا تب تک عزت وتمکنت اور فتح وعروج ان کا مقدر رہا، بڑی بڑی باطل اور سرکش قوتیں ان کے زیر نگیں رہیں، لیکن جب یہ تعلق اور رشتہ کمزور ہوا تو مسلمانوں کا عروج زوال میں تبدیل ہو گیا۔ حتیٰ کہ آج مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے:

ان کے جو ہم غلام تھے، خلق کے پیش وا رہے
ان سے پھرے، جہاں پھرا، آئی کمی وقار میں

حضور ﷺ کی محبت فرض عین ہے

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَ أَبْنَآؤُكُمْ وَ إِخْوَانُكُمْ وَ أَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيرَتُكُمْ وَ أَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ وَ جِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ﴾---[التوبہ،۹:۲۴]

''تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان، یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہیں تو راستہ دیکھو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حکم لائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا''---

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ جس آدمی کے دل میں اللہ ﷻ اور اس کے پیارے محبوب دانائے غیوب شہنشاہ مخلوق ﷺ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کی محبت ہوگی، وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہے اور اگر خدانخواستہ ان تینوں محبتوں پر کسی اور چیز کی محبت غالب آ گئی تو پھر ذلت و رسوائی اس انسان کا حصہ بن جائے گی۔ یاد رکھیں! اگر کوئی ان میں سے کسی ایک کی محبت کا دعویٰ کرے کہ مجھے اللہ سے محبت ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جس نے میری محبت کا دعویٰ کیا، اسے چاہیے کہ وہ آپ ﷺ کا اتباع کرے۔ اسی طرح اگر کوئی جہاد میں نکلتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے دل میں جہاد کی محبت ہے اور اللہ کی محبت ہے، تو وہ بھی اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت آقا علیہ السلام کی محبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور اسی طرح جہاد کی محبت بھی رسول اللہ ﷺ کی محبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ جو ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ یہود و نصاریٰ کے طریقے پر ہے، کیوں کہ ایسا دعویٰ وہ کرتے تھے یا پھر منافقین کیا کرتے تھے، لہٰذا ایسا دعویٰ کوئی مومن نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ میرے آقا علیہ السلام کے جاں نثاروں کا عمل یہی رہا ہے کہ اگر انھوں نے دعویٰ کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ہی کیا ہے۔ ہاں! جو آقا علیہ السلام کی محبت سے سرشار ہے، اس کے دل میں یقیناً تینوں محبتیں موجود ہوں گی، بلکہ ایک مقام پر میرے آقائے نامدار، مدنی تاجدار، رسولوں کے سالار، غریبوں کے غم خوار، بے کسوں کے مددگار، شافع روز شمار، محبوب پروردگار، عطائے پروردگار، دو جہاں کے مالک و مختار ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''---
[صحیح بخاری، جلد۱، صفحہ۷، قدیمی کتب خانہ کراچی]

پس کسی مومن کا ایمان اس وقت تک سچا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ ایمان کی مٹھاس چکھ سکتا ہے جب تک کہ اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔

نیز حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

''جس شخص نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس شخص نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا''---
[الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، صفحہ۳۹۳]

حضور اکرم ﷺ کی محبت ہی اصل ایمان ہے

مروی ہے کہ رسول اکرم نور مجسم ﷺ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں سچا پکا مومن کب بنوں گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تو جب اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا۔ اس نے عرض کیا، میرے آقا! میری محبت اللہ تعالیٰ سے کب ہوگی؟ فرمایا، جب تو اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے گا۔ پھر عرض کیا، اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ سے میری محبت کب ہوگی؟ فرمایا، جب تو ان کے طریقے پر چلے گا اور ان کی سنت کی پیروی کرے گا اور ان سے محبت کرنے والوں کے ساتھ محبت کرے گا اور ان سے بغض رکھنے والوں کے ساتھ بغض رکھے گا اور کسی سے محبت کرے تو ان کی وجہ سے کرے اور اگر کسی سے عداوت رکھے تو ان کی وجہ سے رکھے۔

پھر فرمایا:

''لوگوں کا ایمان ایک جیسا نہیں، بلکہ جس کے دل میں میری محبت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کا ایمان قوی ہوگا، یوں ہی لوگوں کا کفر ایک جیسا نہیں، بلکہ جس کے دل میں میرے متعلق غضب جتنا زیادہ ہوگا، اس کا کفر بھی اتنا ہی بڑا ہوگا''---

پھر فرمایا:

''خبردار! جس کے دل میں میری محبت نہیں، اس کا ایمان نہیں، خبردار! جس کے دل میں میری محبت نہیں، اس کا ایمان نہیں ہے، خبردار! جس کے دل میں میری محبت نہیں ہے، اس کا ایمان ہی نہیں ہے''---[دلائل الخیرات]

میرے مسلمان بھائی! محبوب کبریا ﷺ سے محبت، دوزخ سے بچنے کا ذریعہ ہے، جیسا کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ دوزخ کا خوف مجھ پر غالب ہوا، میں عالم بالا میں سرور عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، حضور ﷺ نے فرمایا، جو ہم سے محبت رکھتا ہے، وہ دوزخ میں نہ جائے گا'' ---[تذکرہ مشائخ نقشبندیہ]

وجوہات محبت رسول ﷺ

حضور ﷺ سے محبت کرنے کی وجوہات میں سے فقط دس وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

① انسان عام طور پر حسن و جمال سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کائنات میں سب سے زیادہ حسن و جمال عطا فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات دیکھا جب بادل نہیں تھے، آپ نے سرخ حلہ پہنا ہوا تھا، میں کبھی آپ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف، بلاشبہ آپ ﷺ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔[جامع ترمذی، صفحہ ۵۶۸]

② انسان علم و حکمت والے سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کائنات میں سب سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو علم دیا، اس کے متعلق فرمایا:

''اور تمھیں جو علم دیا ہے، وہ تھوڑا ہی ہے'' ---[بنی اسرائیل ۱۷:۸۵]

جب کہ نبی اکرم ﷺ کو جو علم عطا کیا، اس کے متعلق فرمایا:

''اور اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا، جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ (ﷺ) پر فضلِ عظیم ہے'' ---[النساء ۴:۱۱۳]

غور کیجیے! اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے علم کو تھوڑا فرما رہا ہے، تو جس کے علم کو وہ عظیم فرما دے، اس کی وسعتوں اور عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

③ بعض لوگ داد و دہش اور جود و سخا سے محبت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس قدر سخاوت کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور نہ آپ اپنے ہاتھ کو پوری طرح کھول دیں'' ---[بنی اسرائیل ۱۷:۲۹]

④ انسان زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت سے محبت کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس قدر عبادت کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے چادر لپیٹنے والے (محبوب)! رات کو (نماز میں) تھوڑا قیام کیا کریں''---[المزمل،۷۳:۱-۲]

⑤ انسان اس شخص سے محبت کرتا ہے، جو نرم دل اور رحم کرنے والا ہو اور رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ نرم دل اور رحیم تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''تو اللہ کی کیسی (بے پایاں) رحمت سے آپ ان (مسلمانوں) کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر آپ ﷺ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے گرد و پیش سے بھاگ جاتے''---[آل عمران ۳:۱۵۹]

ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

''بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظمت والے رسول تشریف لائے، ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا سخت گراں ہے، وہ تمہاری بھلائی بہت چاہنے والے ہیں اور مومنوں پر بہت شفیق اور رحیم ہیں''---[التوبہ،۹:۱۲۸]

⑥ انسان اس سے محبت کرتا ہے، جس کے اخلاق اچھے ہوں اور بد خلق سے متنفر ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سب سے اچھے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اور بلاشبہ آپ ﷺ خلقِ عظیم پر فائز ہیں''---[القلم،۶۸:۴]

⑦ انسان کو جس سے علم اور ادب حاصل ہو، اس سے محبت کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ مومنوں کو تعلیم دیتے تھے اور ان کا تزکیہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''---[آل عمران،۳:۱۶۴]

⑧ انسان اس سے محبت کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو دنیا میں کسی مصیبت اور عذاب سے نجات ملے اور نبی کریم ﷺ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب بھیجنے کا سلسلہ بند کر دیا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اور اللہ کی شان نہیں کہ لوگوں کو عذاب دے، دراں حالے کہ (اے محبوب!) آپ ان میں موجود ہوں''---[الانفال،؟؟:۳۳]

⑨ جس کی وجہ سے دنیا کی مصیبت سے نجات ملے، جب انسان اس سے محبت کرتا ہے، تو

اس سے محبت کرنا زیادہ لائق ہے، جس کی وجہ سے اس کو آخرت کی مصیبت اور عذاب سے نجات ملے اور آخرت میں جب ہیبت الٰہی سے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام خوفزدہ ہوں گے، جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، سب نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے، اس وقت صرف نبی اکرم ﷺ ہی کام آئیں گے اور اللہ تعالیٰ سے شفاعت کر کے لوگوں کو مصیبت سے چھڑائیں گے اور جنت میں داخل کریں گے۔ [شرح صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۲۹]

⑩ انسان اس سے محبت کرتا ہے، جو اس پر احسان کرے اور رسول اللہ ﷺ نے جو نوعِ انسانیت پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً احسان کیے ہیں، ان کو کون شمار کر سکتا ہے؟ لوگ بے تحاشا جہنم کی طرف بھاگ رہے تھے، آپ ﷺ ان کو پکڑ پکڑ کر جہنم سے جنت کی طرف لائے، پتھر کھا کر، گالیاں سن کر ان جفا کشوں کو دائمی نعمتوں کی طرف بلاتے رہے، دنیا میں نیکی کے ساتھ جینے اور حق کی راہ میں مرنے کا چلن سکھاتے رہے، جن کی تعلیم و تربیت نے کایا پلٹ دی، بت پرستوں کو بت شکن، راہ زنوں کو راہ نما اور عصیاں شعاروں کو رشکِ قدسیاں بنا دیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کوئی انسان جمال سے محبت کرتا ہے، تو حضور ﷺ جیسا کوئی جمیل نہیں اور اگر کوئی کمال سے محبت کرتا ہے، تو حضور ﷺ جیسا کسی میں کمال نہیں، آپ ﷺ ایسی با کمال ہستی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ تخلیقِ نبوت کو آپ ﷺ پر ختم کر دیا، اگر احسان کرنے والے سے محبت کرتا ہے، تو حضور ﷺ محسنِ اعظم ہیں، دنیا کی نعمت ہو یا آخرت کی، ہر نعمت آپ ﷺ کے ذریعہ اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے ملتی ہے، تو ایسے معلم و محسن، حسین و جمیل اور صاحب کمال سے جتنی محبت کی جائے، وہ کم ہے اور حق یہ ہے کہ حضور ﷺ کو نہ صرف اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ چاہا جائے، بلکہ اپنے آپ سے بھی بڑھ کر چاہا جائے۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کی علامات

رسول اللہ ﷺ سے محبت کی بہت سی علامتیں ہیں، ہم یہاں پر ان سے فقط دس علامتوں کا بیان کر رہے ہیں:

① جس شخص سے محبت ہوتی ہے، انسان اس کی اطاعت اور اتباع کرتا ہے۔ سو رسول اللہ ﷺ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے احکام پر عمل کیا جائے، آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلا جائے اور جن کاموں سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کیا جائے، خواہ تکلیف ہو یا راحت، خوشی ہو یا رنج، تنگ دستی ہو یا خوش حالی، ہر حال میں آپ ﷺ کا

مطلقاً اتباع کیا جائے، خواہ کسی کام کی حکمت عقل میں آئے یا نہ آئے اور کسی فعل کا فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جو کام آپ ﷺ نے کیا ہو، اس کام کو صرف اس نیت سے کیا جائے کہ چوں کہ آپ ﷺ نے یہ کام کیا ہے، اس لیے ہم کر رہے ہیں۔ حضرت سیدنا زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا:

''اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے تجھے بوسہ دیا ہے، تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا''---[صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۸]

❷ محبت کی دوسری علامت یہ ہے کہ جس شخص کو کسی سے محبت ہوتی ہے، وہ اپنے محبوب کا نہ تو کوئی عیب دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے سن سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کسی شے کی محبت تم کو (اس کا عیب دیکھنے سے) اندھا کر دیتی ہے اور (اس کا عیب سننے سے) بہرا کر دیتی ہے''---[سنن ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۳۴۳]

❸ محبت کی تیسری علامت یہ ہے کہ سچی محبت کرنے والا ہر وقت اپنے محبوب کے ذکر میں رطب اللسان رہتا ہے۔ کبھی اس کے اقوال کا ذکر کرتا ہے، کبھی اس کے افعال کا تذکرہ کرتا ہے غرضیکہ اس کا دل ہر وقت اپنے محبوب کے ساتھ اٹکا رہتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم نور مجسم ﷺ فرماتے ہیں:

''جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اس کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہے''---

[کنز العمال، جلد ۱، صفحہ ۳۸۱]

مندرجہ بالا حدیث پاک سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جو شخص سال میں فقط ایک مرتبہ ''عید میلاد النبی'' کی محفل سجالے، پھر بقیہ سال سود، رشوت، زنا، جھوٹ، چوری، شراب نوشی اور نماز نہ پڑھنا وغیرہ قبیح کاموں میں گزار دے، تو وہ شخص ہرگز ہرگز محبِ رسول کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اس شخص کو محبِ رسول کہا جا سکتا ہے، جو روزانہ دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں بلاناغہ درود و سلام کا نذرانہ بھی پیش کرتا رہتا ہے۔

❹ محبت کی چوتھی علامت یہ ہے کہ محبوب کا ذکر سننے سے محب خوش ہوتا ہے، لہٰذا جب رسول اللہ ﷺ کی نعت پڑھی جا رہی ہو اور آپ کے فضائل و کمالات بیان کیے جا رہے ہوں

تو جن چہروں پر خوشی و مسرت کے آثار ہوں، جو چہرے پھول کی طرح کھل جائیں، جو لوگ آپ ﷺ کی تعریف سن کر وجد میں آنے لگیں اور مسرت سے نعرے لگائیں، وہ آپ ﷺ کے محبّ ہیں اور جن لوگوں کے چہرے آپ ﷺ کے فضائل و کمالات سن کر مرجھا جائیں، جو لوگ آپ ﷺ کے محامد اور محاسن سن کر غیظ و غضب میں آجائیں، جو لوگ آپ ﷺ کا ذکر کرنے اور آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے سے روکیں اور منع کریں، وہ آپ ﷺ کے ہرگز محبّ نہیں ہیں۔

5 محبت کی پانچویں علامت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے وقت آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ ﷺ کا اسم مبارک سننے پر اظہارِ خضوع و خشوع کیا جائے، جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ ابو ابراہیم یحیٰی فرماتے ہیں:

''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جب اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو وہ ادب اور احترام سے سنے اور بدن کو جنبش تک نہ دے اور خود پر اس طرح ہیبت و جلال طاری کر لے گویا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہے''---

[مدارج النبوۃ، جلد۱، صفحہ ۳۰۰]

6 محبت کی چھٹی علامت یہ ہے کہ محبوب کا ذکر سننے کے بعد محبوب کے حق میں دعا کرے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آپ ﷺ کا نام لے یا اس کے سامنے آپ ﷺ کا نام لیا جائے، تو وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام (درود شریف) پڑھے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم جوزی لکھتے ہیں:

''امام ابو جعفر طحاوی اور علامہ ابو عبداللہ حلیمی کا مسلک یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص آپ ﷺ کا ذکر کرے، تو اس پر آپ ﷺ کے ذکر کے ساتھ درود شریف پڑھنا فرض ہے، اگر نہیں پڑھے گا، تو گناہ گار ہوگا''---[شرح صحیح مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۴۳]

7 محبت کی ساتویں علامت یہ ہے کہ محبّ کے دل میں محبوب سے ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہو، جس طرح کہ ہر طالب اور محبّ اپنے مطلوب اور محبوب سے ملاقات کا متمنی ہوتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ سے محبت کی علامت یہ ہے مسلمان کے دل میں آپ ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ سے ملاقات کا شوق ہو۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے لوگ میرے بعد ہوں گے، ان میں سے کسی ایک شخص کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش اس کے تمام اہل اور مال کے بدلہ میں اس کو میری زیارت ہو جائے''---[صحیح مسلم، جلد۲، صفحہ ۳۷۹]

8 محبت کی آٹھویں علامت یہ ہے کہ انسان محبوب کے محبوبوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب، اہل بیت اور ازواجِ مطہرات سے بھی محبت کی جائے۔ جیسا کہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے بعد انھیں اعتراضات کا نشانہ نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، جس نے انھیں اذیت پہنچائی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی (ناراض کیا) اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی، قریب ہے اللہ تعالیٰ اسے پکڑے''---[مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۵۴]

9 محبت کی نویں علامت یہ ہے کہ جس کو کسی شخص سے محبت ہو، وہ اس کی نسبتوں سے بھی محبت کرتا ہے، سو جس کو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، وہ قرآن مجید سے محبت کرے کہ یہ کلام آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے، وہ مکہ مکرمہ سے محبت کرے گا کہ یہ آپ ﷺ کا مولد ہے، وہ مدینہ منورہ سے محبت کرے گا کہ یہ آپ ﷺ کا مسکن ہے، وہ کعبہ سے محبت کرے گا کہ آپ ﷺ اس کا طواف کرتے تھے، وہ غارِ حرا سے محبت کرے گا کہ اس میں آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی وغیرہ وغیرہ۔

10 محبت کی دسویں علامت یہ ہے کہ محبّ، محبوب کے اعداء سے عداوت رکھتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اعداء سے عداوت رکھی جائے اور جو آپ ﷺ کے دین کے مخالف ہوں، ان کی مخالفت کی جائے۔

ثمراتِ محبتِ رسول ﷺ

آقائے دو جہاں ﷺ سے محبت کرنے والا جو ثمرات حاصل کرتا ہے وہ تو کثیر ہیں لیکن ہم یہاں صرف چند ایک بیان کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ سرکار ﷺ کی محبت میں کیا

شان وعظمت ہے:

- محبِ نبی کو ایک ثمرہ یہ ملتا ہے کہ وہ ایمان کی حلاوت کو پالیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس میں یہ تین چیزیں ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت پائے گا:

۱)......اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (عزوجل و ﷺ) اسے ہر شے سے محبوب ہوں۔

۲)......اگر کسی سے محبت کرے، تو اللہ کے لیے کرے۔

۳)......اسے کفر کی جانب نجات کے بعد لوٹنا اس قدر ناپسند ہو جس طرح آگ میں جانا"---[صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان]

- محبِ نبی کو آخرت میں سرکار علیہ السلام کی رفاقت نصیب ہوگی۔ جیسا کہ احادیثِ مبارکہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگے، جس کے ساتھ محبت کرتے ہو"---

- ہر عقل مند انسان کو یہ چیز سب سے زیادہ محبوب ہے کہ اسے کوئی پریشانی لاحق نہ ہو، خواہ

دنیاوی ہو، جیسے: مال، بیوی، گھر، ذات اور اولاد کے حوالے سے۔

یا اُخروی ہو، جیسے: محشر کی گرمی، اللہ تعالیٰ کی ناراضی، جہنم کی دہکتی آگ وغیرہ

تو محبِ نبی کو ان تمام پریشانیوں سے نجات مل جاتی ہے:

اعمال نہ دیکھے یہ دیکھا، محبوب کے کوچے کا ہے گدا
مولا نے مجھے یوں بخش دیا، سبحان اللہ! سبحان اللہ!

یاد رکھیے! حقیقی معنی میں رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والا وہ شخص ہے، جس کا قول و فعل، کردار، طور طریقہ، شکل وصورت وغیرہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا آئینہ ہو۔

آخر میں اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ ہم سب امت مسلمہ کو آپ ﷺ کی محبت کے جام عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی محبت ہی پر قائم رکھے، یہاں تک کہ ہم اس حال میں آپ ﷺ سے ملاقات کریں کہ آپ ﷺ ہم پر راضی ہوں اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ہمیں آبِ کوثر کے جام عطا فرمائیں اور ہماری شفاعت فرما کر اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ



اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

کن کی کنجی

ابو زوہیب محمد ظفر علی سیالوی

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾---[سورہ نجم:۳،۴]

''اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے، ان کا ارشاد سراسر وحی ہوتی ہے، جو انھیں کی جاتی ہے''---[ترجمہ عرفان القرآن]

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ الہادی مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ جملہ اولیٰ کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا بہکنا اور بے راہ چلنا ممکن و متصور ہی نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات فرماتے ہی نہیں، جو فرماتے ہیں، وحی الٰہی ہوتی ہے اور اس میں حضور ﷺ کے خلق عظیم اور آپ کی اعلیٰ منزلت کا بیان ہے۔ نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کر دے [کبیر] اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں فنا کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا، تجلّیٔ ربانی کا استیلائے تام ہوا کہ جو کچھ فرماتے ہیں، وحی الٰہی ہوتی ہے''---[خزائن العرفان]

مقام غور ہے کہ جب ایک عام آدمی نوافل کے ذریعے خدا کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں بن جاتا ہوں، پھر ہوتا کچھ یوں ہے کہ

بظاہر اعضا آدمی کے ہوتے ہیں اور ان میں طاقت رب کائنات کی ہوتی ہے۔[صحیح بخاری]

یہ تو ان کا مقام ہے، جو نوافل و عبادات، ریاضات و مناجات سے قربِ خدا حاصل کرتے ہیں اور جو پہلے ہی اتنے قریب ہیں کہ:

- ان کے ہاتھ کو رب اپنا ہاتھ فرماتا ہے۔[الفتح:۱۰]
- ان کی بیعت کو رب اپنی بیعت فرماتا ہے۔[ایضاً]
- ان کی اطاعت کو رب اپنی اطاعت فرماتا ہے۔[النساء:۸۰]

جو خدا کے اتنے قریب ہیں، ان کے اعضاء کا کیا مقام ہوگا؟

تمام مخلوقِ خدا میں صرف اور صرف ذاتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ایک ایسی ذات ہے، جن کی زبانِ اقدس سے نکلنے والی ہر بات کی یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اس میں نفسانی خواہش کا دخل نہیں ہوسکتا۔ خالقِ کائنات نے محبوب کے بولنے کو اپنا نطق قرار دیا۔

حدیث نمبر1

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں یاد کرنے کے لیے لکھ لیتا، جو رسول اللہ ﷺ سے سنتا، پس لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ آپ ہر اس بات کو لکھ لیتے ہیں، جو سنتے ہیں۔ حالاں کہ رسول اللہ ﷺ بھی بشر ہیں، ناراضگی اور رضامندی میں بھی کلام فرماتے ہیں۔ چناں چہ میں لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے انگشتِ مبارک سے دہنِ مبارک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یُخْرَجُ مِنْہُ اِلَّا الْحَقُّ---

''لکھتے رہو! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس سے کوئی بات نہیں نکلتی مگر حق''---[ابوداؤد شریف، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم]

حدیث نمبر2

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نہیں کہتا مگر حق''---

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ کبھی از راہِ ملاطفت (خوش طبعی) کوئی بات ارشاد فرمایا کرتے ہیں''---

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں حق بات ہی کہتا ہوں''---[تفسیر ابن کثیر]

تاج دارِ بریلی فرماتے ہیں:

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

معلوم ہوا کہ مصطفیٰ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے حق کے علاوہ کوئی بات نہیں نکلتی اور جو کچھ آقا کریم ﷺ کی لسانِ اقدس سے نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح فرما دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

حدیث نمبر 3

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دشمن رسول، حکم بن ابی العاص حضور ﷺ کے پاس بیٹھتا، جب آپ کلام فرماتے تو وہ چہرہ بگاڑتا۔ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا:

کن کذالک--- ''ایسا ہی ہو جا''---

تو مرتے دم تک اس کا چہرہ بگڑا ہی رہا--- [الخصائص الکبریٰ، امام جلال الدین سیوطی، جلد دوم، صفحہ ۷۹/ شفا شریف، جلد اوّل، صفحہ ۵۰۲، مترجم مکتبہ نوریہ لاہور]

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حدیث نمبر 4

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ لشکر اسلام میں شرکت نہ کر سکے۔ جب وہاں ان کے بارے میں حضور ﷺ نے پوچھا، تو بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ وہ دنیاوی غرض کی وجہ سے شریک نہیں ہوتے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فوراً اسے ٹوکا اور عرض کیا، آقا! ہم ان کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہیں، کوئی مجبوری ہوگی۔ حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی، تو دور سے سفید لباس پہنے ایک شخص آتا دکھائی دیا۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھا، تو فرمایا:

کن ابا خیثمة فاذا هو ابو خیثمة الانصاری---

''تو ابو خیثمہ ہو جا، سو وہ ابو خیثمہ ہی تھے''---(وہ زباں جس کو کن کی کنجی کہا گیا)

[مسلم شریف، کتاب التوبہ، حدیث توبہ کعب بن مالک، باب نمبر ۹۹۳، حدیث نمبر ۶۸۸۸]

علامہ محمد بشیر احمد صاحب، البرھان فی خصائص الرحمٰن میں زرقانی کے حوالے لکھتے ہیں:

حضور سید عالم ﷺ کی زبانِ مبارک نہایت پاکیزہ اور علم و ادب، فصاحت و بلاغت، حق و صداقت، لطف و محبت کا منبع و مظہر تھی۔ آپ ﷺ کا کلام شیریں، حق و باطل میں فرق کرنے والا،

واضح اور مبین، ہر قسم کے عیوب ونقائص یعنی افراط وتفریط، جھوٹ، غیبت، بدگوئی، فحش کلامی سے پاک تھا۔ گویا آپ ﷺ کا کلام لڑی کے موتی تھے، جو گر رہے ہیں۔ غالب نے لسانِ نبوت کا ذکر یوں کیا ہے:

تیر قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است
امام کشاد آں بزبانِ محمد (ﷺ) است

''اس میں شک نہیں کہ تقدیر کا تیر خدا ہی کے قبضے میں ہے، لیکن اس تیر کا چلنا زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے ہوا کرتا ہے (سرکارِ دوعالم ﷺ کی زبان سے جو بات نکلتی ہے، وہ قضا کا تیر بن کر نکلتی ہے)''---

حدیث نمبر 5

نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا، تو دائیں ہاتھ سے کھانے کا فرمایا۔ اس نے جواب دیا، میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کھا بھی نہیں سکے گا۔ جب مصطفیٰ ﷺ کی زبانِ اقدس سے یہ لفظ نکلے تو حالت یہ ہوگئی کہ مرتے دم تک دایاں ہاتھ منہ تک جا ہی نہیں سکا۔ [مسلم شریف، کتاب الاشربة، حدیث نمبر ۵۱۵۱/ شفا شریف، جلد اوّل، صفحہ ۵۰۲، مترجم مکتبہ نبویہ لاہور)

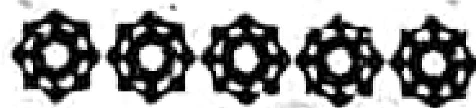
حدیث نمبر 6

امام الانبیاء ﷺ سفر میں ہیں، ایک کنویں پر سے گزر ہوا، اس کا نام اور پانی کی کیفیت پوچھی۔ بتایا گیا، اس کا نام بیسان اور پانی کھاری ہے۔ فرمایا، اس کا نام نعمان اور پانی میٹھا ہے۔ بس اتنا فرمانا تھا کہ کنویں کی تاثیر بدل گئی۔ [شفا شریف، جلد اوّل، صفحہ ۵۰۲]

میرے نبی کریم ﷺ کی زبان وہ زبان ہے کہ حسنین کریمین پیاس سے روتے ہیں۔ مصطفیٰ کریم ﷺ زبان منہ میں ڈالتے ہیں، پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ [شفا شریف، جلد اوّل]

اتنی تاثیر کہ میدانِ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان اپنے شہزادے کے منہ ڈالی تو ان کی پیاس بھی ختم ہوگئی۔ کیا نبی کریم ﷺ کو اپنا ہم مثل کہنے والو! تمہاری زبان میں یہ تاثیر ہے؟

رحمتِ حق کی ہونے لگیں بارشیں — دین و دنیا کی لٹنے لگیں دولتیں
کھول دیں جس نے اللہ کی حکمتیں — وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام



حفظِ ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہماری جان بھی قرباں ہے ناموسِ رسالت پر
لٹا دیں دولتِ کونین ہم اس ایک دولت پر
یہی بس اصلِ ایماں ، اصلِ دیں ، اصلِ عقیدت ہے
فدا تن من سدا کرتے رہیں آقا کی حرمت پر
کبھی جو زیست میں توقیرِ حضرت کا سوال آئے
تو لازم ہے کہ دے دیں جان بھی ہم ان کی عظمت پر
کریں گھر بار بھی اپنا نچھاور شان پر ان کی
مگر دھبا نہ آنے دیں کبھی ہم دیں کی شوکت پر
اگر ''یورپ کا'' کوئی بد زباں ہذیان بکتا ہو
تو بن جائیں سراپا احتجاج ایسی جسارت پر
بحال اس طرح سے رکھیں ہمیشہ اعتماد اپنا
بھروسا ذات پر ان کی ، نظر ہو ان کی رحمت پر
نہ واریں روح بھی اپنی نبی پر جب تلک نازش
''نہ جب تک کٹ مریں ہم خواجہ طیبہ کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل اپنا ایماں ہو نہیں سکتا''

محمد حنیف نازش قادری



محمد ﷺ کی محبت

سما سکتی ہے کیوں کر حب دنیا کی ہوا دل میں
بسا ہو جب کہ نقشِ حب محبوبِ خدا دل میں

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے

محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

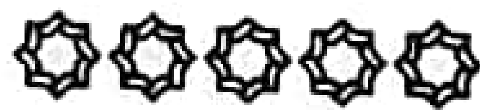
محمد ﷺ کی محبت آنِ ملت ، شانِ ملت ہے
محمد ﷺ کی محبت روحِ ملت ، جانِ ملت ہے

محمد ﷺ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے

محمد ﷺ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر ، مادر ، برادر ، مال ، جان ، اولاد سے پیارا

یہی جذبہ تھا ان مردانِ غیرت مند پر طاری
دکھائی جن کے ہاتھوں حق نے باطل کو نگوں ساری

ابوالاثر حفیظ جالندھری



حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

پروفیسر ابوبکر غزنوی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں پر انوار رسالت براہ راست پڑے تھے، انھوں نے اپنا گھر بار، اپنا مال و منال اور اپنا سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر لٹا دیا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھیے، ابھی اسلام کا آغاز تھا، مکے کی بستی کافروں سے بھری ہوئی تھی، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجا کی کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں لوگوں کو اعلانیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی اطلاع دوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب ہونے کی دعوت دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے ابوبکر! ذرا صبر سے کام لو، ابھی ہم تعداد میں کم ہیں" ---

حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر غلبہ حال طاری تھا، انھوں نے پھر اصرار کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرما دی۔ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے خوف و خطر لوگوں کو اللہ عزوجل اور اس کے

رسول ﷺ کی طرف دعوت دی۔ ''البدایہ والنہایہ'' میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

فَكَانَ اَوَّلَ خَطِیْبٍ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَ اِلٰی رَسُوْلِہٖ---

''(حضور ﷺ کی بعثت کے بعد) حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خطیب ہیں، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول (عزوجل و ﷺ) کی طرف بلایا''---

مشرکین مکہ آپ پر ٹوٹ پڑے، آپ کو سخت پیٹا اور روندا۔ عقبہ بن ربیعہ نے آپ کے چہرے پر بے تحاشا تھپڑ مارے۔ آپ قبیلہ بنو تمیم سے تھے، آپ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور انھیں مشرکین سے چھڑا کر ان کے گھر لے آئے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ جاں بر نہ ہو سکیں گے، وہ دن بھر بے ہوش رہے، جب شام ہوئی تو آپ کو ہوش آیا، آپ کے والد ابوقحافہ اور آپ کے قبیلے کے لوگ آپ کے پاس کھڑے تھے، ہوش میں آتے ہی پہلی بات انھوں نے یہ کہی:

''رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟''---

ان کے قبیلے کے لوگ سخت برہم ہوئے اور انھیں ملامت کی کہ جس کی وجہ سے یہ ذلت و رسوائی تمھیں اٹھانی پڑی اور یہ مار پیٹ تمھیں برداشت کرنا پڑی، ہوش میں آتے ہی تم پھر اسی کا حال پوچھتے ہو۔ ان اندھوں کو کیا خبر تھی کہ ان کی خاطر سختیاں جھیلنے میں جو لذت ہے وہ دنیا داروں کو پھولوں کی سیج پر اور بستر سنجاب پر بھی حاصل نہیں ہوتی۔

اے جفا ہائے تو خوش تر ز وفائے دیگراں

ان کے قبیلے کے لوگ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور ان کی ماں سے کہہ گئے کہ جب تک محمد (ﷺ) کی محبت سے یہ باز نہ آجائے اس کا بائیکاٹ کر دو اور اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دو۔ وہ ماں تھی، جی بھر آیا، کھانا لا کر سامنے رکھ دیا اور کہا کہ دن بھر کے بھوکے ہو، کچھ کھا لو۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ماں! اللہ کی قسم، کھانا نہیں چکھوں گا اور پانی کا گھونٹ تک نہ پیوں گا جب تک حضور ﷺ کی زیارت نہ کر لوں''---

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن ام جمیل آگئیں اور بتایا کہ حضور ﷺ خیریت سے ہیں اور دار ارقم میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زخموں سے چور تھے، چلنے کے قابل نہ تھے، اپنی ماں

کے سہارے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ پر سخت گریہ طاری تھا۔ آپ نے دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی محبت میں اپنے جسم اور اپنی جان کی سب کلفتیں بھول گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور ﷺ کی زیارت کو ترستے تھے، آپ ﷺ نے مرض الموت میں جب پردہ اٹھا کر دیکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز کی حالت میں دیکھ کر مسکرائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نے حضور ﷺ کے مکھڑے سے زیادہ حسین منظر نہیں دیکھا''---

کچھ عاشقان رسول ایسے بھی تھے، جن کو اپنی آنکھیں محض اس لیے عزیز تھیں کہ ان سے حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی:

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

ایک صحابی کی آنکھیں جاتی رہیں، لوگ عیادت کو آئے تو کہنے لگے:

''یہ آنکھیں تو مجھے اس لیے عزیز تھیں کہ ان سے حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی، جب وہی نہ رہے تو اب ان آنکھوں کے جانے کا کیا غم''---

کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جنھوں نے روز روز کا جھگڑا ہی چکا دیا تھا، زندگی کا سب کاروبار چھوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت ہی کے لیے وقف ہو گئے تھے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ ﷺ کی خدمت کے لیے اپنے کو آپ وقف کر دیا۔ آپ ﷺ کے گھر کا سب کام کاج حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی کرتے تھے، دنیا کے سب دھندوں کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ ﷺ سفر کے لیے تشریف لے جاتے، ساتھ ہو لیتے، آپ کو جوتیاں پہناتے، آپ کی جوتیاں اتارتے، سفر میں آپ ﷺ کا بچھونا، مسواک، جوتا اور وضو کا پانی ان ہی کے پاس ہوتا تھا، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ بن مسعود کو سوار رسول کہتے تھے۔ یعنی وہ حضور ﷺ کے میر سامان تھے۔

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ سارا دن حضور ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے، جب آپ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے جاتے تو باہر دروازے پر بیٹھے رہتے کہ شاید آپ ﷺ کو کوئی کام پڑ جائے اور میرے بھاگ جاگ اٹھیں اور حضور ﷺ کی خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے۔ ایک دن حضور ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"ربیعہ! تم شادی کیوں نہیں کرتے؟"---

کہنے لگے:

"اللہ کے رسول! شادی کر لی تو آپ کا آستانہ چھوٹ جائے گا"---

مگر حضور ﷺ کے بار بار اصرار پر وہ مجبور ہو گئے اور شادی کر لی۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت کے لیے بچپن ہی میں وقف کر گئی تھیں۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ رسالت میں ہمیشہ حاضر رہتے۔ محبت و شیفتگی کی یہ کیفیت تھی، جس کی وجہ سے وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر سخت مصیبتیں جھیلتے رہے۔ وہ صرف مصیبتیں جھیلتے ہی نہ تھے بلکہ ان مصیبتوں میں ایک لذت اور سرور محسوس کرتے تھے۔ محبت کا یہ جذبہ ان میں ایسی سرشاری پیدا کرتا تھا کہ جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت انھیں محسوس ہی نہیں ہوتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی، جن کی عمر اتنی نہ ہوئی کہ وہ اسلام کی غربت کے ساتھ اسلام کے عروج و اقبال کا زمانہ بھی دیکھتے اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی طرح کہہ سکتے:

کُنْتُ فِیْ مَنْ فَتَحَ کُنُوْزَ کِسْرٰی---

"میں ان لوگوں میں سے تھا، جنھوں نے کسریٰ کے خزانوں کو کھولا"---

تاہم جب دنیا سے گئے تو اس عالم میں گئے کہ ان سے زیادہ خوش حالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو۔

بدر و احد کے شہیدوں کا حال پڑھو، ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی ان کے حصے میں آیا، وہ دن رات کی کاوشوں اور مصیبتوں کے سوا کیا تھا؟ وہ اسلام کی فتح یابیوں اور کامرانیوں سے پہلے ہی دشمنوں کی تیغ و سنان سے چور میدان جنگ میں دم توڑ رہے تھے مگر دیکھو کہ پھر بھی ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا؟

جنگ احد میں حضرت سعد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ زخموں میں پڑے دم توڑ رہے ہیں، پوچھا: "کوئی وصیت اگر کرنی چاہتے ہو تو کر دو" کہا:

"اللہ کے رسول ﷺ کو میرا اسلام کہہ دینا اور میری قوم سے کہنا کہ راہِ خدا میں

اپنی جانیں نثار کرتے رہیں"---

حضرت عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ زخموں سے چور جان کنی کی حالت میں تھے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے پہنچ گئے اور عمارہ کی قسمت جاگ اٹھی۔ فرمایا:

"عمارہ! کوئی آرزو ہو تو کہو"---

حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ڈال دیا اور درد بھری آواز میں کہا:

"میری آرزو یہ ہے کہ جان نکلتے وقت میری نظریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر جمی رہیں اور میری نظروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے سوا کچھ نہ ہو"---

بس اتنا کہا اور روح پرواز کر گئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ نفوسِ قدسیہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے چن لیا تھا اور جن کے بارے میں اللہ عزوجل کی یہ مشیت ہوئی کہ وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست فیض حاصل کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کا روحانی تزکیہ کریں اور خود انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی سراسر موجب حرمان نصیبی ہے، ان کے بارے میں دل میں بغض رکھنا سراسر باعثِ خسرانِ مبین ہے۔ آخر میں اختصار کے ساتھ عرض یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر اس لیے واجب ہے کہ:

۱......آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی شعائیں براہِ راست ان کے سینوں پر پڑی تھیں اور اس سعادتِ عظمیٰ میں امت کا کوئی طبقہ ان کا شریک نہیں۔

۲......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنا مال، اپنا گھربار، اپنی اولادیں اور اپنی جانیں سب کچھ نچھاور کر دیا۔

۳......آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی وہ واسطہ اور رابطہ ہیں جن کے ذریعہ اطرافِ عالم میں کتاب و سنت کی تمام تعلیمات کا ابلاغ ہوا۔ اگر ان کی ثقاہت بے داغ نہ ہوتی تو دین کی حفاظت کا کوئی امکان نہ تھا۔

[بشکریہ "ترجمان" دہلی]



قطعہ تاریخ وصال

الحاج ابوالعطاء محمد ظہور اللہ نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
برادر اکبر مکرمی حضرت صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری قادری مدظلہ العالی
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف (اوکاڑا)

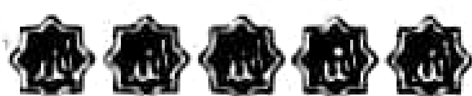
تاریخ وصال:	۱۱رذی قعدہ ۱۴۲۶ھ	۱۴ردسمبر ۲۰۰۵ء

''محبّ حبیبِ وہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ'' ۱۴۲۶ھ

''یُمن وفضیلت'' ۱۴۲۶ھ
''مقام عظمت محمد نور اللہ'' ۲۰۰۵ء

پیکر راستی و صدق و صفا
وہ حسیں شخصیت کا مالک تھا
خوب تر ذوقِ بندگی اس کا
وہ تہجد گزار عبد خدا
اس کا شیوہ تلاوتِ قرآن
در حقیقت جو اِک شرف ہے بڑا
صالح و پاک باز، سادہ منش
نجم حق آگہی، مہ تقویٰ
آج چشم جہاں سے ہے مستور
نور کے باغ کا گل رعنا
حسن اعمال کی ضرور اسے
ربّ وہاب سے ملے گی جزا
اس کی تربت فراخ و روشن ہو
جس میں خلد بریں کی آئے ہوا
مصطفیٰ کے طفیل، جنت میں
ہو مقام بلند اس کو عطا
میں کہ ہوں اک محبّ نور اللہ
اس کی رحلت سے دل گرفتہ ہوا
اس کی محمود عاقبت کے لیے
میرے لب پر ہے صبح و شام دعا
''طوبیٰ، انوارِ مغفرت'' طارق
۲۰۰۵ء
میں نے سالِ وصال اس کا کہا

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری



نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سب انبیا کا ہے شرف و احترام اور
محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے لیکن مقام اور

قرآں سے بڑھ کے نعتِ نبی کوئی کیا کہے
بندے کی بات اور خدا عزوجل کا کلام اور

معراج اور طور کا لُبِّ لباب سن!
دیدارِ ذات اور ہے ، سادہ کلام اور

اپنی جگہ سخاوتِ حاتم بھی خوب ہے
پر قاسمِ حجاز صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے فیضِ عام اور

زم زم بجا ، درست شرابِ طہور بھی
لیکن ہے کیفیات میں کوثر کا جام اور

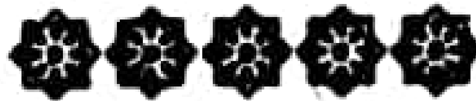
دارا ہو یا سکندر و جمشید ، ہیچ ہیں
رکھتا ہے شان سرورِ دیں کا غلام اور

اے دل نزولِ رحمتِ حق ہو گا اور بھی
تو بھیج مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ درود و سلام اور

شیرینیٔ کلام بڑھے گی کچھ اور بھی
وِردِ زباں کرو شہِ بطحا کا نام اور

میثاق ہو کہ منصبِ محمود ، ہر کہیں
فیضان التزام ہے خاص اہتمام اور

پروفیسر فیض رسول فیضان



محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

صاحبزادہ سید محمد ضیاء محی الدین گیلانی

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے ۔ اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے
محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی ۔ خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

حضور نبی کریم ﷺ کی محبت ہر مسلمان کے لیے سرمایہ حیات ہی نہیں بلکہ سرمایہ ایمان بھی ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کی محبت واطاعت کے بغیر اللہ رب العزت کا قرب اور اس کی خوش نودی انسان کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اے محبوب! کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا"---[پارہ ۳، رکوع ۱۲]

معلوم ہوا کہ خدا کی محبت پانے کے لیے اس کے حبیب ﷺ کی محبت اور اس کی رضا پانا ضروری ہے۔ عزت وبلندی اس شخص کا مقدر ہو جاتی ہے جو سیرت مصطفیٰ ﷺ اور محبت خیر الوریٰ کا عملی طور پر نمونہ بن جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاجدار مدینہ ﷺ کی محبت کو اپنا شعار حیات بنا رکھا تھا، انھیں اپنے محبوب کی محبت کے علاوہ اس کائنات میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا، انھیں جان، مال اور اولاد سے بڑھ کر سرور کائنات ﷺ سے محبت تھی، یہ محبت مصطفیٰ ﷺ کا ہی جذبہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر واحد میں گردنیں کٹوانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہر صحابی کی محبت اور طرز عمل اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ:

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی — مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر — خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

صحابہ کرام ﷺ کو اپنے علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت پر ناز نہیں تھا، انھیں اگر ناز تھا تو باعث تخلیق دو عالم، نور مجسم ﷺ کی محبت و نسبت پر تھا۔ تمام صحابہ کرام ﷺ کے قلوب و اذہان اس بات کے ترجمان تھے:

اس ربط مقدس پہ میرا فخر بجا ہے — میرا ہے جو محبوب، وہ محبوبِ خدا ہے
کیا خوف ہو مجھ کو شب تاریک عدم سے — جب پاس میرے اسم محمد ﷺ کی ضیا ہے
یہ نور کسی کے بھی بجھائے نہ بجھے گا — طوفاں میں ترے دیں کا چراغ اور جلا ہے

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سیدنا صدیق اکبر ﷺ کی حضور پاک ﷺ کے ساتھ محبت کی کیفیت بیان کرتی ہیں کہ میرے والد سارا دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر گھر آتے تو جدائی کے یہ چند لمحات کاٹنا ان کے لیے دشوار ہو جاتا۔ وہ ساری ساری رات نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لیے بے قرار رہتے۔ یہ کیفیت اس وقت تک برقرار رہتی جب تک وہ حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ اقدس کو دیکھ نہ لیتے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق ﷺ حج پر آئے، طواف کیا اور حجر اسود کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، اس سے فرمانے لگے، میں جانتا ہوں، بے شک تو ایک پتھر ہے، جو (ذاتی طور پر) نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان، اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ یہ کلمات ادا کرنے کے بعد حضرت سیدنا فاروق اعظم ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔

تاجدار عالم ﷺ کی ہر ہر ادا سے آپ کے غلام محبت کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت سیدنا عثمان غنی ﷺ نے وضو فرمایا، وضو کے بعد مسکرانے لگے، لوگوں نے کہا، آپ کس بات پر مسکرائے ہیں، جب کہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ فرمایا، ایک بار میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہاں بیٹھ کر وضو فرمایا تھا اور وضو کے بعد مسکرائے تھے۔ اس وقت میرے آقا ﷺ کی یہی ادا میرے پیش نظر ہے۔ میں تو: "کسی کی ادا کو ادا کر رہا ہوں"

قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ (صحابہ کرام ﷺ) کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے کس قدر محبت تھی؟ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا، اللہ کی قسم! حضور پاک ﷺ ہمیں اپنے اموال، اولاد، آباء و اجداد اور امہات سے بھی زیادہ

محبوب تھے اور جو کسی پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے محبت ہوتی ہے، ہمیں اپنے محبوب سے اس سے بھی زیادہ محبت تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی کریم ﷺ کا رخ زیبا، آپ کا سراپا دیکھ کر اپنی آنکھوں کی پیاس بجھا لیتے تھے اور ہر کڑے وقت میں یہ اپنے محبوب ﷺ کو فریادرس سمجھتے تھے۔

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ان کا پاؤں سن ہو گیا، میں نے تجویز پیش کی کہ جو شخصیت آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اس کا نام لیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آقا مصطفیٰ کریم ﷺ کو پکارتے ہوئے کہا:

"اے محمد! مدد فرمایئے"---

دوسرے لمحے ہی ان کا پاؤں ٹھیک ہو گیا۔

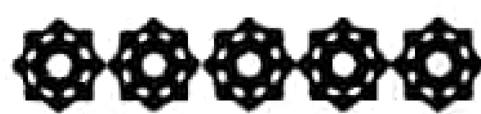
حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور نبی کریم ﷺ کے تراشے ہوئے مبارک ناخن تھے، وقت وفات انھوں نے وصیت کی کہ ان مبارک ناخنوں کو میری آنکھوں پر رکھا جائے اور میرا معاملہ میرے اور اللہ ارحم الراحمین کے درمیان چھوڑ دینا۔

تاریخ عالم میں ایسی حسین اور عظیم محبت کی مثالیں نہیں ملتیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہر قول اور فعل سے یہ ثابت کر دیا کہ محبت مصطفیٰ ﷺ ہی انسانیت کی معراج ہے، جو اس کی روح کو طہارت بخشتی ہے۔ آج ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مسلمان زوال کا شکار کیوں ہو رہے ہیں؟ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کے دل محبت مصطفیٰ ﷺ کے جذبے سے خالی ہوتے جا رہے ہیں۔ آج کے مسلمان کا دل پیغام محمد ﷺ سے غافل ہوتا جا رہا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی صورت حال کی عکاسی کرتے ہوئے کہا:

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں　　کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمھیں پاس نہیں

محبت رسول ﷺ سے عاری ہونے کی وجہ سے آج ہر میدان میں مسلمان پستی کی طرف جا رہے ہیں اور باطل قوتیں غلبہ حاصل کر رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب سرور دو عالم ﷺ کی محبت، سیرت اور اطاعت کی شمع ہر دل میں روشن کرنے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ رب العزت ہمیں دنیا و آخرت میں عظمتیں نصیب فرمائے۔ اس لیے کہ:

ہر حال میں ہم پر شہ والا ﷺ کے کرم ہیں　　سرکار دو عالم ﷺ کی غلامی ہے تو ہم ہیں
پھر ہم کو ضرورت ہے برس جائے، برس جائے　　ہم منتظر ابر کرم، ابر کرم ہیں



حمدِ ربّ جلیل

پشیماں ہے اَزل سے اس لیے لوحِ گماں میری
نہیں توصیف کے قابل، قلم میرا، زباں میری

سرِ گردابِ غم، بیم و رجا کی کیفیت میں ہوں
کبھی ساحل پہ بھی پہنچیں، الٰہی! کشتیاں میری

پسِ زنداں گرفتارِ بلا ہوں ایک مدت سے
مسلسل کرب کی حالت میں ہے عمرِ رواں میری

در و دیوار پر بھی بھوک کے اُگنے لگے جنگل
الٰہی! ختم ہو جائیں، یہ ساری سختیاں میری

غبارِ مفلسی میں ہے مرے آنگن کی رعنائی
گھٹا برسے کہ تشنہ ہے ابھی تک ارضِ جاں میری

بنامِ مصطفیٰ ﷺ آسودگی دے میرے بچوں کو
اگر اشکوں سے بھی لکھی گئی ہے داستاں میری

مجھے برگد کے پیڑوں کی گھنی چھاؤں کا موسم دے
تمازت کا ہدف ہیں ادھ جلی سی کھیتیاں میری

ہوائے عمر کو حکمِ سکونت دے مرے مالک!
انا کی گرد میں لپٹی ہوئی ہیں بستیاں میری

مرے اوہام پر اپنی صداقت منکشف کر دے
غلط سوچوں کو دیتی ہیں جنم مجبوریاں میری

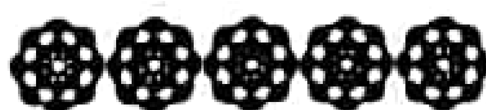
زباں پر قفل ڈالے ہیں، ہوائے جبر نے جب سے
نگاہوں سے ٹپک پڑتی ہیں اکثر سسکیاں میری

کھڑا ہوں آئنہ خانے کی دیواروں کے سائے میں
سلامت اب رہے گی کب، شبیہِ ناتواں میری

گداز و سوز کی مشعل جلے گی ہر دریچے میں
ذرا عرشِ بریں سے لوٹ آنے دو فغاں میری

ریاضِؔ بے نوا کی التجا ہے بزمِ ہستی میں
نشانِ راہ بن جائے یہ ہستی بے نشاں میری

ریاضؔ حسین چودھری



حمدِ ربّ جلیل عزوجل

تیری عبودیت کی ہے تذلیل کا نشاں
ماتھے پہ رب کے حکم کی تعمیل کا نشاں
تطویل کا نشاں ہو کہ تقلیل کا نشاں
حمدِ خدا پہ ہو مگر تعدیل کا نشاں

ہے سیرتِ رسولِ خدا ﷺ میں بسا ہوا
حسنِ خدائے پاک عزوجل کی تجمیل کا نشاں
محفوظ حرف حرف ہے ، قرآنِ پاک کا
تورات کا نہیں ، نہیں انجیل کا نشاں

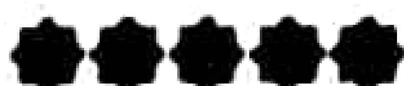
"وَ النَّجْم" میں اشارے تو "اِسْرَا" کے ہیں کئی
ملتا نہیں ہے ڈھونڈے سے تفصیل کا نشاں
یروشلم تھا قبلہ ، بنا کعبۂ خدا
سرکار ﷺ کی رضا میں ہے تحویل کا نشاں

حرفِ غلط کی طرح مٹا بعدِ مصطفٰی ﷺ
فرشِ زمیں پہ آمدِ جبریل علیہ السلام کا نشاں
جو حجۃ الوداع کے موقع پہ آئی تھی
آیت وہی تھی دینِ کی تکمیل کا نشاں

کعبے میں دیکھو اب بھی ابابیلوں کے پرے
ملتا نہیں ہے صاحبانِ فیل کا نشاں
حکمِ خدا کو چھوڑ کر "روشن خیالیاں"
یہ داغ وہ ہے جو بنا تذلیل کا نشاں

اللہ کے کرم سے ہے محمود یہ یقیں
ہو گا بقیع میں مری ترحیل کا نشاں

راجا رشید محمود



نعت شریف ﷺ

جود و بخشش سراپا ہمارا نبی ﷺ
غم زدا ہر کسی کا ہمارا نبی ﷺ

جو پریشان ہیں ان کا مونس ہے وہ
دردمندوں کا ملجا ہمارا نبی ﷺ

دل فگاروں کے زخموں پہ مرہم رکھے
بے بسوں کا سہارا ہمارا نبی ﷺ

ہر گدا کو طلب سے زیادہ وہ دے
ہے کھلا دل کا ایسا ہمارا نبی ﷺ

جسم آدم علیہ السلام مکمل ہوا تھا نہ جب
اس گھڑی بھی نبی تھا ہمارا نبی ﷺ

اس کے سر پر ہے ہر اوّلیت کا تاج
گرچہ آخر میں آیا ہمارا نبی ﷺ

آخری ہے جو اس کو شریعت ملی
ہے نبی ہر جہاں کا ہمارا نبی ﷺ

آگہی کا ، سمندر وہ عرفان کا
علم و دانش کا دریا ہمارا نبی ﷺ

نور حکمت کا ، تنویر دانائی کی
اِبتدا کا اِجالا ہمارا نبی ﷺ

دوش و امروز کا ہے وہ اسرار فہم
محرمِ رازِ فردا ہمارا نبی ﷺ

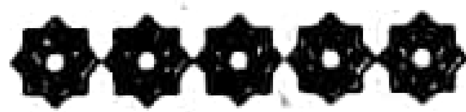
لامکاں جو تصور سے بھی ہے ورا
اس میں ہے جلوہ فرما ہمارا نبی ﷺ

خود کو تنہا و بے کس نہ سمجھیں غلام
قبر میں آنے والا ہمارا نبی ﷺ

جس کا ذکر جمیل عرش پر ، فرش پر
وہ یگانہ ، وہ یکتا ہمارا نبی ﷺ

روز محشر کا طارقؔ ہمیں خوف کیا
جب شفاعت کرے گا ہمارا نبی

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری



محبت اور ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ڈاکٹر ضیاء الحبیب صابری

محمد رسول اللہ --- [سورۂ فتح، آیت:۲۹]

"آقائے دو جہاں حضرت محمد علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام، اللہ جل شانہ کے رسول ہیں" ---

کلام الٰہی کا یہ مختصر سا جملہ اپنے اندر حقائق ومعارف کے گہر ہائے گراں مایہ سموئے ہوئے ہے۔ قرآن حکیم کا حکیمانہ انداز اپنے قاری کو دعوت تفکر دیتا ہے تو یہ کوئی محض رسمی بات نہیں بلکہ عالمین کے رب کا کلام ہونے کے حوالے سے اس کی ایک ایک بات عظیم رہنمائی اور اسرار و رموز کے دھارے ہیں۔

جملہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ کے ترجے پر غور فرمائیے، ارشاد ہے "محمد اللہ کے رسول ہیں" یعنی "رسول ہیں" اب اس "ہیں" پر غور کریں، یہ "ہیں" ہر زمانے میں ہر زمانے کے لیے، ہر زمانے والوں کے لیے "رسول ہیں" کا اعلان کر کے آپ کے خاتم النبیین اور آخری تاج دار نبوت کا نکتہ سمجھایا جا رہا ہے۔ معاشرے کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ ہستی ازل سے ابد تک کے توحید پرستوں کے لیے "رسول ہیں" کے حوالے سے مسلّم چلی آ رہی ہے۔ یہ اس وقت بھی "رسول ہیں" کے منبر پر جلوہ افروز تھے جب آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی میں تھے۔

[انجیل برناباس، باب:۳۹، سینٹ برناباس، اسلامک پبلی کیشنز لاہور]

اور اس وقت بھی ''رسول ہیں'' ہی تھے، جب آدم علیہ السلام نے جنت سے نکلتے وقت اس کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ ''محمد، اللہ کے رسول ہیں''---

[انجیل برنباس، باب: ۴۱، سینٹ برنباس، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور]

تمام انبیاء کے سردار کی رسالت عامہ وتامہ کے عموم پر خود فطرت گواہی دے رہی ہے اور ظلمت گزیدہ انسان اگر چشم بینا وانہ کرے تو ان سرکار علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے رتبے میں کیا کمی آسکتی ہے۔ ذات والا کے ظہور مَلکی کا اپنا مقام ہے، لیکن جب عالم ناسوت میں آمد ہوئی تو قرآن حکیم اس آمد کو ''آمد'' ہی کہتا ہے، تا کہ تصدیقات کتب سابقہ میں کوئی ابہام نہ پیدا ہو سکے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی سچائی پر حرف نہ آئے جو کہہ چکے تھے:

''میرے بعد وہ آنے والا ہے میں جس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں''---

[یوحنا کی انجیل، باب: ۱، آیت: ۲۷، سینٹ یوحنا، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور/ انجیل برنباس، باب: ۴۲، سینٹ برنباس، اسلامک پبلی کیشنز لاہور]

اس قرآنی جملہ میں حضور سرور عالم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی بھی ہے اور آپ کے منصب مقدس کا بیان بھی، دونوں نکتہ نظر سے یہ جملہ خصوصیات نبویہ کا مظہر ہے۔

آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی علوشان کے اظہار میں آپ کا اسم گرامی بھی اپنے اندر خصوصیت رکھتا ہے، جب کہ سلک نبوت کی کسی بھی دوسری محترم ہستی کے اسم گرامی میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ کسی نبی کا نام ایسا نہیں جس سے ان کے مقام ومرتبے یا کمالات نبوت کی جھلک نظر آتی ہو۔ مثلاً:

1: آدم، جس کے معنی گندم گوں ہیں۔ 2: نوح، اس لفظ کے معنی آرام واطمینان کے ہیں۔ 3: اسحاق، یعنی مسکراتے چہرے والا۔ 4: یعقوب، پیچھے آنے والا۔ 5: موسیٰ، پانی سے نکالا ہوا۔ 6: یحییٰ، لمبی عمر والا۔ 7: عیسیٰ، سُرخ رنگ والا۔

مندرجہ بالا اسماء گرامی اور ان کے معانی پر غور کریں (آدم) کا معنی اپنے مسمّٰی کی جسمانی رنگت کو بیان کرتا ہے۔ (نوح) سکون آرام یا والدین کے لیے راحت جان کا مفہوم دیتا ہے۔ (اسحاق) چہرے اور بُشرے کی کیفیت ظاہرہ کا اظہار ہے۔ (یعقوب) اپنے عیسو یا عیص بھائی کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے، پیدائش میں آپ اپنے بھائی کے بعد تھے، یہ نام اسی حالت کا پتہ دیتا ہے۔ (موسیٰ) فرعون کو پانی سے دستیاب ہوئے، بس اسی نسبت سے موسیٰ نام ہوا۔ (یحییٰ) حضرت

زکریا علیہ السلام کی پیرانہ سالی میں پیدا ہوئے، والدین نے قلبی اشتیاق سے ''عمر دراز والا'' نام رکھا اور (عیسیٰ) خوب صورت سرخ رنگ کے پھول جیسا چہرہ ہونے کے سبب والدہ محترمہ نے یہ نام رکھا۔

ان جملہ اسماء مقدسہ میں سے کوئی ایک نام بھی ایسی خصوصیت کا حامل نہیں جس سے مسمّٰی کے منصب یا اس کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہو، لیکن نبوت و رسالت کے اس بھرے باغ میں صرف ایک ذات اور تنہا گلِ یکتا سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا نورِ نظر ہے، جس کے نام نامی اسم گرامی میں بے پناہ رموز و معارف کے ساتھ آپ کے منصب اور مقام و مرتبہ کی بھی تنویر جھلکتی نظر آتی ہے۔

محسن انسانیت کا ذاتی نام محمد بھی ہے اور احمد بھی۔ دونوں اسماء مقدسہ میں وحدت مادہ ''حمد'' موجود ہے۔ جب صفات میں کمال، نعوت میں جلال اور فطرت میں احسان بر غیر اور فیضان کائنات کے محاسن جمع ہو جائیں تو اس مجموعی کیفیت کو ''حمد'' کہتے ہیں۔

''حمد'' کی جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات واجب الوجود میں پائی جاتی ہیں۔ الحمدللہ کا الف لام اور اسم مقدس ''حمید'' بھی اسی راز کو منکشف کر رہے ہیں۔

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اسی جانب اشارہ فرماتے ہیں:

وَ شَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ

فَذُوا لْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٗ

[دیوان حسان، صفحہ ۸۴، شرکۃ دار الارقم بن ابی الارقم، بیروت]

''اللہ نے اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ان کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے، دیکھیے عرش کا مالک تو محمود ہے اور آپ محمد علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں''---

رسول معظم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کریم کے ہاں بھی محمود، ملائکہ مقربین میں بھی آپ کی حمد، انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے پاک گروہ میں بھی آپ محمود، اہل زمین کے ہاں بھی محمود، غرضیکہ اگرچہ کوئی آپ پر ایمان نہ بھی لائے، پھر بھی آپ کے اخلاق و کردار کی خوبی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کے نزدیک بھی آپ کی ذات ستودہ صفات محمود ہو گی۔

دیکھیے! آپ کی ذات اقدس سے ''حمد'' کا کتنا گہرا تعلق ہے۔ حشر کے دن آپ مقام محمود پر ہوں گے۔ میدان حشر میں آپ کے ہاتھ میں جھنڈا بھی ''لواء الحمد'' ہو گا۔ آپ کا رب تعالیٰ بھی حمید و محمود۔ آپ کی امت کو ''حمّادون'' کا نام دیا گیا۔

اس نام پاک کی معنوی لطافت سے ہر صاحب ایمان لطف اندوز ہوتا ہے اور بعض عشاق تو فرط عقیدت سے اس نام پاک کو سن کر اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں اور دل کو فرحت

اور دماغ کو تازگی مہیا کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہوا ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام نے بھی جب پہلے پہل یہ اسم مبارک سنا تو انگوٹھوں کے ناخن چوم کر آنکھوں کو تازگی دی۔

[انجیل برنباس، باب: ۳۹، سینٹ برنباس، اسلامک پبلی کیشنز لاہور]

بلاشبہ اس ہستی عظیم کا ذکر دافع البلا، شافی الامراض، محافظ ارواح وابدان ثابت ہوتا ہے۔

[ہدیۃ المهدی، صفحہ ۳-۲۲، علامہ وحید الزماں/ الشّمامة العنبریه، صفحہ ۱۲، نواب صدیق حسن بھوپالی]

کیوں نہ ہو خود باری تعالیٰ نے حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے رفعت ذکر کا وعدہ فرمایا ہے تو جو خوش نصیب اس خدائی وعدہ کی تکمیل کا باعث وسبب ہوگا وہ یقیناً اللہ کے حفظ وامان میں ہوگا اور یہ بھی تو اٹل ہے کہ جہاں درود شریف کی کثرت ہو اس جگہ اس کثرت درود شریف کے باعث حسنات وبرکات اور عطیات ربانی کا نزول ہوتا ہے۔

مشہور محدث حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو بقول حضرت علامہ انور کاشمیری جاگتے ہوئے حضور انور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت بائیس بار نصیب ہوئی۔

[فیض الباری، علامہ انور شاہ کشمیری، مطبع حجازی مصر/صحیح بخاری، نور محمد اصح المطابع کراچی]

یہ امام حدیث اپنی کتاب الوسائل فی شرح الشمائل میں فرماتے ہیں:

"جس گھر یا مسجد یا محلّہ میں نبی کائنات کا میلاد پاک پڑھا جائے اس مکان، مسجد یا محلّہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے حصار میں لے لیتے ہیں اور شرکاء محفل کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں"---

مشہور محدث امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

مَنْ اَنْفَقَ فِیْ مَوْلِدِہٖ دِرْھَمًا کَانَ الْمُصْطَفٰی صلی اللہ علیہ وسلم لَہٗ شَافِعًا وَ مُشَفَّعًا وَ اَخْلَفَ اللّٰہُ عَلَیْہِ بِکُلِّ دِرْھَمٍ عَشْرًا---[مولد العروس، صفحہ ۹، بیروت]

"جس نے میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک درہم بھی خرچ کیا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے شفاعت فرمائیں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، میلاد میں خرچ کیے گئے ہر درہم کے عوض اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو دس گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا"---

ان شواہد کے علاوہ خود حجاز مقدس میں حرمین شریفین کے رہنے والے مسلمانوں کا معمول رہا ہے کہ وہ باقاعدگی سے میلاد شریف یا ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام کرتے تھے۔

[فیوض الحرمین، صفحہ ۱۱۵، شاہ ولی اللہ دہلوی، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی]

ان محافلِ ذکرِ رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا بنیادی مقصد ''ازدیادِ محبت مصطفیٰ'' ہے۔ اگر یہی امر پیش نظر رہے تو پھر محفل کا انعقاد نہ یہ کہ وجہ نزاع نہ رہے بلکہ شرکاء محفل اس کی روحانی تابانیوں سے اپنے ظاہر و باطن کو منور کر کے اٹھیں۔ آج کے اس گئے گزرے دور میں میں سمجھتا ہوں حضور اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے پاکیزہ اور بابرکت جذبات پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے، کیوں کہ پورا معاشرہ خصوصاً نئی نسل اس نعمت سے کلیتہً تہی دامن ہو رہی ہے۔ فواحش کا زور وشور ہے اور یہ انقلابِ قلب وروح اس وقت تک ناممکن ہے جب تک آپ اپنے قال وحال کو محبت رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے سانچے میں نہیں ڈھال لیتے اور جب تک بات زبانی قصہ گوئی تک رہے گی گوہر مقصود ہاتھ نہیں آسکتا۔

المیہ تو یہ ہے کہ ہم خود دینی اقدار اور دینی شعار کو اپنانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں اور اپنے جان وایمان کے والی، آقا ومولیٰ محبوب خدا محمد مصطفیٰ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کرنے یا سننے میں دلوں اور دماغوں پر ایک بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ آج مساجد کے صحن دیکھیے، جمعہ کے دن اذان ثانی تک سنسان اور ویران کھنڈروں کا منظر بنے ہوتے ہیں، گھر پر ضروری تو کیا کوئی غیر ضروری کام بھی نہیں، پھر بھی ہم خشیت ربانی سے عاری اپنے گھروں میں لغویات ولہویات میں مشغول ہوتے ہیں۔ دل میں اگر ذرہ سی کسک ہو اور اپنے پیارے رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس سے لگاؤ کا پاس ہو اور خوف الٰہی کی رمق پہلو میں محسوس ہو تو یقیناً ہم خدائی فرمان ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ [سورہ جمعہ، آیت ۹] کی اطاعت میں کبھی کسل مندی اور غفلت کا مظاہرہ نہ کریں۔ نفسیات کا مسلمہ اصول ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ادا، ہر شے اور ہر خو وخصلت سے محبت ہوتی ہے۔ آیئے ذرا اماں صدیقہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے آں حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائل وعادات، اخلاق وکردار تو پوچھیں، تو جواب ملتا ہے:

﴿کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن﴾---

یعنی آپ کے خصائل وعادات کا محور قرآن اور صرف قرآن تھا۔ آج ہم اپنی عملی دنیا میں اللہ اور اس کے رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی تعلیمات سے کٹ چکے ہیں اور اپنی خواہشات کو ارذل حرکات کے متعفن وسڑاند غلاظت کے ڈھیر میں بسا چکے ہیں۔

میرے نزدیک فلاح وکامرانی کی ضمانت صرف اور صرف اللہ جل جلالہ اور رسول کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے وفاداری سے منضبط ہے اور وفاداری کے لیے تعلیمات قرآنی سے اپنی زندگی کو مزین کرنا ہے، لیکن اس مقام پر محبت رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا سہارا حاصل کرنا ہوگا، ورنہ

یقیناً ہمارا کھلا دشمن ابلیس ہمیں قرآن حکیم کتاب ہدایت سے ہدایت کی بجائے ﴿یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا﴾[البقرہ:۲۶] کے سحر میں الجھا دے گا اور پھر ﴿وَ لَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا﴾[الکہف:۱۷] کے مصداق کوئی دم ساز و مددگار اور دستگیر نہ ہوگا۔

ہر صاحب دانش کے نزدیک اس نکتہ نظر سے اختلاف بعید از انصاف ہوگا کہ جب تک محبت رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام دل کے اندھیرے کو دور کر کے اجالا نہ پھیلائے، کوئی اطاعت و عبادت کام نہ آئے گی۔ عبادت و اطاعت وہی کار آمد ہے، جس میں محبت الٰہی اور محبت محبوب علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ فگن ہو۔ حبِّ نبی سے لبریز دل تو عرش الٰہی ہے یا یوں کہہ لیں، عرش الٰہی وہی دل ہے، جس میں حبِّ نبی کے چراغ روشن ہوں، جذبہ محبت سے کیا ہوا، تھوڑا عمل بھی بارگاہ احدیت میں بڑی قیمت پاتا ہے۔ اہل محبت ہی کا یہ مقام ہے کہ وہ ایک خرما خیرات کریں تو وہ جبل احد کے برابر سونا صدقہ کرنے کا ثواب پاتے ہیں۔

آیئے گلشنِ محبت میں چہچہاتے، گنگناتے، ہنستے، مسکراتے آغوش محبت میں ناز و نیاز سے ملے جلے انداز اپنانے والے قدسی صفات عشاق کے پیار کی اک جھلک دیکھ کر اپنے من کو محبت آشنا اور اطاعت آسا بنائیں۔ واقعہ بہت طویل ہے، اختصار کے ساتھ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''النعمۃ الکبریٰ علی العالم'' کے صفحہ ۵۲ سے خلاصہ پیش کر رہا ہوں:

یمن میں عامر نامی ایک شخص بت پرست تھا، اس کی ایک بیٹی تھی، جو جذام اور گنٹھیا کے امراض کا شکار تھی، عامر نے اس کے علاج کے لیے ہر ممکن کوشش کی، وہ کبھی کبھی اپنے بت کے سامنے اپنی بیٹی کو حاضر کر کے اس سے شفا طلب کرتا۔ ایسا اس نے کئی بار کیا لیکن ہر بار مایوسی ہوتی۔ ایک دن میاں بیوی اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے اپنے دگرگوں حالات پر افسردگی سے ہم کلام تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک نور ہے، جو آفاق سے پورے عالم پر چھا رہا ہے، اس نور کی چمک سے ان کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ انہوں نے دیکھا فرشتے صف بہ صف کھڑے ہیں، پہاڑ سجدہ کر رہے ہیں، درخت جھکے جا رہے ہیں اور ایک منادی کہہ رہا ہے:

''ہادیٔ برحق نبی آخر الزمان علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں آ گئے''---

یہ اعلان سنا، ادھر بت کو دیکھا، وہ منہ کے بل گرا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے:

''خبردار! وہ ذات جلوہ گر ہو گئی جس کا سب کو انتظار تھا، جس سے شجر و حجر کلام کریں گے، جو چاند کو دو ٹکڑے کرے گا''---

میاں بیوی یہ کلام سن کر حیران ہو رہے تھے، بت سے پوچھا، وہ ہستی کہاں پیدا ہوئی ہے اور

ان کا نام کیا ہے؟ بت سے بولنے والے ہاتف نے کہا:

''ان کا نام محمد علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور وہ سرزمین زمزم وصفا کے فرزند ہیں، ان پر بادل سایہ کرے گا''---

عامر نے بیوی سے مشورہ کیا کہ ہم اس ہستی کی تلاش کریں، اچانک ان کی نظر مکان کی چھت پر پڑی، دیکھا کہ ان کی بیمار و لاغر بیٹی تن درست و توانا حالت میں کھڑی مسکرا رہی ہے۔ عامر نے پوچھا، بیٹی یہ سب کچھ کیا ہے، کیسے ہے؟ بیٹی نے کہا، ابا جان! میں مردے کی طرح لیٹی ہوئی تھی کہ یکایک ایک نور کی تجلی دیکھی اور یہ نورانی جھلک کسی کے مسکرانے کی تھی، میں نے اپنے آپ سے پوچھا، یہ نور کس کا ہے، یہ پاکیزہ ہستی کون ہے؟ جس کے مسکرانے سے اتنا نور ہوا ہے۔ ہاتف نے کہا، یہ نور عدنان کے لخت جگر کا ہے۔ میں نے پوچھا، ان کا نام، حسب ونسب کیا ہے؟ تو جواب ملا، ان کا نام احمد ہے، وہ قریشی عدنانی ہیں۔ میں نے ہاتف سے کہا، کیا آپ نے میری تکلیف کو نہیں دیکھا؟ فرشتے نے کہا، تم اللہ سے اس ہستی کے وسیلے سے دعا مانگو، یہ سنتے ہی میں نے دعا کی، پھر ہاتھوں کو چہرے اور جسم پر پھیرا اور بیدار ہو گئی اور اب آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں تندرست ہوں۔

یہ سنتے ہی میاں بیوی مکہ مکرمہ آئے، حضرت سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے دولت سرا پر دستک دی اور حضرت اماں جی سے عرض کیا کہ ہمیں اس گل نودمیدہ کے جمال جہاں آرا سے بہرہ ور فرمایئے، جن کے طفیل اللہ تعالیٰ نے موجودات کو نور جاں بخشا۔ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا، میں یہودیوں سے خوف زدہ ہوں، اس لیے بچہ دکھانے سے معذرت کرتی ہوں۔

عامر اور ان کی اہلیہ نے اپنی تمام سرگزشت سنائی، جس پر حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے ان کو اذن باریابی بخشا، جب حبیب مکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے انوار کی تجلیات دیکھیں تو دونوں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے اور تکبیر وتہلیل کرنے لگے، رخ اقدس سے جب پردہ اٹھایا تو ان کی ایک دم چیخ نکل گئی اور اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ قریب تھا کہ ان کے جسم وجان کا رشتہ منقطع ہو جائے۔ انہوں نے حضور اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور فرط عقیدت سے منہ کے بل گر گئے۔ اب حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے ان کو رخصت ہونے کا حکم فرمایا۔

یہ لوگ تعمیل ارشاد میں نکل تو آئے مگر آتش عشق دلوں میں بدستور بھڑک رہی تھی۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے دل پر ہاتھ رکھا اور دیوانہ وار چیخ کر کہا، مجھے حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے گھر لے چلو اور دوبارہ التجا کرو کہ مجھے سرکار ﷺ کا جمال ایک بار پھر عنایت فرمائیں۔ چناں چہ واپس آ کر اجازت لے کر بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عامر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو دیکھتے ہی قدموں میں گرے اور زوردار چیخ ماری

اور عالم جاودانی کو انتقال کر گئے۔

راقم الحروف کا مشاہدہ

انیس صد ستاسی، فروری کی چودہ تاریخ کو فقیر لاہور سے حجاز مقدس، حرمین شریفین کی زیارت وعمرہ کے لیے گیا، دیار رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی یوں تو ہر بات نرالی اور من بھاتی ہے اور زائرین وحاضرین کا انداز محبت، عشق رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام میں روتی، آنسو بہاتی آنکھیں، سینوں میں سوز و گداز کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، بپاس ادب بارگاہ حبیب علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام آنکھیں پرنم، لیکن جھکی ہوئی۔ کیوں نہ ہو، یہ بارگاہ اللہ ﷻ کے بے مثل و یکتا محبوب کی بارگاہ ہے، جہاں فرشتے ادب سے نیاز مندانہ حاضری دیتے ہیں، جہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس ارواح عالم مثال میں دست بستہ حاضر ہوتی ہیں:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا [اقبال]

اگرچہ وہاں کی انتظامیہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنے سے شدت سے منع کرتی ہے۔
[شہاب ثاقب، صفحہ ۶۵، شیخ الہند حسین احمد مدنی، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، سہارنپور]

لیکن پھر بھی محبان نبی حکم الٰہی ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ﴾[سورۃ حجرات، آیت ۲] کے پیش نظر کمال عقیدت ومحبت سے اپنے آقائے نعمت کے حضور اپنا نذرانہ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں اور زمانے کے ستائے ہوئے ﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ﴾[سورۃ النساء، آیت:۶۴] میں دی گئی رہنمائی کے تحت اپنی بپتا سناتے ہیں۔ کسی کو ریاض الجنۃ میں مصروف نیاز دیکھیں گے تو کوئی مواجہہ شریف کے سامنے دست بستہ آنسو بہا رہا ہے، لیکن ایک منظر جو راقم الحروف کی آنکھوں نے دیکھا وہ عالم محسوسات میں واردات عشق کا انوکھا و نرالا منظر تھا۔ ایک مصری کڑیل جوان رنگ سرخ وسفید، بالا قامت، مواجہہ شریف کے سامنے کھڑا ہے، اس کے آگے اس کی بیٹی ہے، جس کی عمر لگ بھگ آٹھ برس ہوگی۔ دونوں باپ بیٹی اتھرووٗں کے موتیوں سے دربار حبیب علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہار بنا رہے ہیں۔ شاید مقابلہ تھا، باپ اور بیٹی کے درمیان! عشق رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام میں مقابلہ، بیٹی! وہ ننھی سی بچی دست بستہ ہے، لیکن اس کے والد کا انداز یہی ہے مگر اس نے بیٹی کے دونوں کندھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے رکھا ہے۔ غالباً ایک گھنٹہ سے یہ پروانے شمع ہستی کے سامنے کھڑے تھے کہ یکایک شاید باپ کے ہاتھوں کی گرفت کمزور ہوئی یا کیا ہوا، وہ عشق رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی پتلی اپنے باپ کے ہاتھوں

سے نکل کر مواجہہ شریف کے ساتھ جا چھوئی اور زبان سے ''یارسول اللہ'' کی دل نواز آواز بلند کی۔ ابھی یہ منظر آنکھوں سے ٹکرایا ہی تھا کہ حضور اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پشت کر کے کھڑے نگران نے بچی کو بازو سے پکڑ کر اوپر اچھالا اور فرش پر پٹخ دیا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، عظیم باپ کی عظیم بیٹی نے اُف تک نہ کی اور فوراً اٹھ کر اپنے باپ کے آگے کھڑی ہوگئی۔ کوئی بیس منٹ مزید مواجہہ شریف کے سامنے خاموش زبان سے اپنے نذرانے کی پذیرائی کی انتظار کی ہوگی کہ دیکھتے ہی دیکھتے بچی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْن﴾ [سورۃ البقرۃ:۱۵۶] تعجب کی بات یہ ہے کہ عالمِ نزع میں بچی تڑپی نہ بے قرار ہوئی، کسی عضو میں کوئی غیر معمولی جنبش نہیں، بس سراپا تسلیم ورضا ہو کر درِ حبیب پاک علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام پر جان کا نذرانہ دے گئی، لیکن باپ کے لب پہ حرفِ شکایت نہ چہرے پر آثارِ غم وملال، بلکہ جاتے اور چلتے وقت مرحومہ بچی کو ہاتھوں پر اٹھایا اور ذرا سا مواجہہ شریف کے سامنے جھک کر (خدا جانے اس جھکنے میں کیا ادا تھی کیا اشارہ تھا) ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے عاشقِ صادق باپ اپنی معصوم لختِ جگر کا لاشہ لے کر بابِ جبریل علیہ السلام سے باہر نکل گیا۔ کہنے کو ہم سب مصطفیٰ کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے عاشق بنتے ہیں مگر عشقِ نبی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے تقاضے کیا ہیں، اس کی طرف ہماری مطلق توجہ نہیں۔

محبتِ رسول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے قرائن بیان کرتے ہوئے حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''حضور کی محبت کی علامات سے یہ بھی ہے کہ آپ کا ذکر کثرت سے کیا جائے اور آپ کے ذکر کے وقت انتہائی درجے کی تعظیم وتکریم کی جائے۔ آپ کے نام نامی اسم گرامی کو سنتے وقت کمال عجز وانکسار کا اظہار ہو''۔۔۔

ابن اسحاق تجیبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ جمیل جب آپ کے بعد کرتے تو انتہائی عاجزی اور فروتنی سے کرتے، حتیٰ کہ سننے اور سنانے والے کے بال کھڑے ہو جاتے اور یہ بھی علاماتِ محبت سے ہے کہ محبوب کے دوست کو دوست جانے اور دشمن کو دشمن جانے''۔۔۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور احترامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضور انور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب واحترام آپ کے صحابہ کس طرح کرتے تھے، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان، معیارِ ایمان ہے اور ان کا عمل رشد وہدایت کی کلید۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اپنی قوم سے کہا:

''خدا کی قسم مجھے بادشاہوں کے درباروں میں جانے کا بارہا موقع ملا اور میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے ہیں لیکن بخدا میں نے قطعاً کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم اصحابِ محمد، محمد علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی کرتے ہیں۔ واللہ! وہ رینٹھ یا تھوک اور بلغم نہیں پھینکتے مگر وہ ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہوتی ہے اور وہ اس کو اپنے منہ اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ تعمیل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی پر وہ اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ آپس میں لڑ مریں گے اور وہ جب بات کرتے ہیں تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور ان کی تعظیم وتوقیر کی وجہ سے کوئی ان کی طرف تیز نگاہ سے دیکھ نہیں سکتا، انہوں نے تم پر رشد و ہدایت کا کام پیش کیا ہے، پس تم قبول کرلو'' ---[ابن ہشام، جلد۲، صفحہ۳۷۴، ابن ہشام، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی]

حضرت اسامہ بن شریک ﷛ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے چاروں طرف اصحاب جمع تھے، ان کی کیفیت یہ تھی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔[ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نور محمد اصح المطابع کراچی]

حضرت امام قاضی عیاض مالکی اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت انس ﷛ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حال میں دیکھا کہ حجام آپ کے سر مبارک کے موئے مبارک کاٹ رہا ہے اور صحابہ آپ کے اردگرد گردش کر رہے ہیں اور ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ آپ کا ہر موئے مبارک اس کے ہاتھ میں پڑے۔

''حضرت انس ابن مالک ﷛ جو کہ حضور نبی اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی اور خادمِ خاص تھے، فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیق ﷛ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے:

حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمُ الْاِثْنَینِ وَ ھُم صُفُوفٌ فِی الصَّلٰوۃِ، فَکَشَفَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ وَ آلِہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلامُ سِتْرَ الْحُجْرَۃِ، یَنْظُرُ اِلَیْنَا وَ ھُوَ قَائِمٌ، کَاَنَّ وَجْھَہُ وَرَقَۃُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ یَضْحَکُ فَھَمَمْنَا اَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ

بِرُؤیَۃِ النَّبِیِّ عَلَیہِ و آلِہِ الصَّلوٰۃ و السّلام---

''چناں چہ پیر کے روز لوگ صفیں بنائے نماز ادا کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہم کو دیکھنے لگے۔ اس وقت حضور نبی اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ انور قرآن کے اوراق کی طرح معلوم ہوتا تھا، جماعت کو دیکھ کر آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے۔آپ کے دیدارِ پُر انوار کی خوشی میں قریب تھا کہ ہم نماز توڑ دیں''---

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ شاید آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں تشریف لا رہے ہیں، اس لیے انہوں نے ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ کر صف میں مل جانا چاہا، لیکن حضور نبی اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ نماز پوری کرو۔ پھر آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ گرا دیا اور اسی روز آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا۔[صحیح بخاری، جلد۱، صفحہ۹۴]

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضور نبی اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے، اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا۔ مؤذن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: کیا آپ نماز پڑھا دیں گے تا کہ میں اقامت کہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کر دی، دوران نماز میں حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لے آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے صف اوّل میں جا کر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے تالیاں بجائیں، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں کسی اور جانب التفات نہیں فرمایا کرتے تھے۔ جب تالیوں کی آواز زیادہ ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے تو رسول اللہ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا (اور پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا) لیکن حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اپنی جگہ پر قائم رہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا کہ رسول اللہ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں امامت کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹے، حتیٰ کہ صف اوّل کے برابر آ گئے اور حضور نبی اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے آگے بڑھ کر امامت کرائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور نبی اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

یَا اَبَابَکْرٍ! ما مَنَعَکَ ان تثبُتَ اذ اَمَرْتُکَ فقَالَ اَبُوبَکْرٍ: مَا کَانَ لابنِ ابی قُحَافَةَ أن یُّصَلِّی بَیْنَ یدی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ---

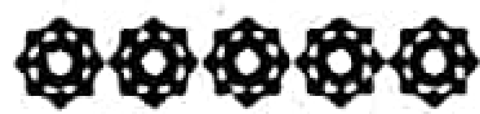
''اے ابوبکر! جب میں نے حکم دیا تھا تو تم مصلّے پر کیوں نہیں ٹھہرے رہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ وہ حضور کے سامنے امامت کرائے''---

اس کے بعد حضور نبی اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اس کی کیا وجہ ہے کہ میں نے تمہیں تالیاں بجاتے دیکھا؟ اگر کسی کو نماز میں کوئی حادثہ پیش آئے تو (بلند آواز سے) سبحان اللہ کہے، چناں چہ جب وہ سبحان اللہ کہے تو اس کی طرف توجہ دی جائے اور نماز میں تالیاں بجانا تو صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔

[صحیح بخاری، جلد ا، صفحہ ۱۶۵، ۱۶۲، ۱۶۰، ۹۴]

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی خاطر اپنے عزیزوں، والدین اور اولاد کو نہ صرف چھوڑ ہی دیا بلکہ وقت آنے پر ان کے خلاف تلواریں بے نیام کیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھو تو غایت تمنا یہی بیان فرماتے ہیں:

اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ



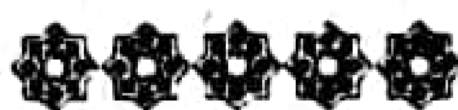
استدراک

- نور الحبیب کے گزشتہ شمارہ (ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ/ مارچ ۲۰۰۷ء)، صفحہ ۱۲۳، سطر ۶ کی عبارت کو یوں پڑھا جائے:

''مؤخر الذکر تین صاحبزادے اپنے چچا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے، جیسا کہ شیخ محمد بن حسین دیار بکری نے صراحت کی ہے''---[تاریخ الخمیس، جلد ۲، صفحہ ۲۹۴]

- نور الحبیب، صفر ۱۴۲۸ھ/ فروری ۲۰۰۷ء، صفحہ ۱۳، سطر ۲ کی عبارت ''اولاد بتول ہے'' کو ''محبّ اولاد بتول ہے'' پڑھا جائے---

[ادارہ]



مولانا حسرت موہانی اور جذبۂ عشق رسول ﷺ

رئیسہ موہانی

مولانا حسرت موہانی جس طرح اپنے سیاسی عقائد میں نہایت مستحکم و مضبوط تھے، اسی طرح مذہبی اعمال و عقائد میں بھی کمال درجہ شغف و توغل رکھتے تھے اور اپنے کلام میں جا بجا اپنے معتقدات کو ظاہر کرتے رہے۔ مولانا مذہبا حنفی اور مشربا قادری تھے اور اس خانوادہ کے رکن اعلیٰ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ؓ سے انھیں بے پناہ عقیدت تھی، جس کا اظہار ان کے کلام میں ملتا ہے۔ نعت میں بھی کئی غزلیں موجود ہیں اور اہل بیت اطہار سے بھی تعلق خاطر رہا، جس کا اظہار انھوں نے اپنے کلام میں بھی کیا ہے۔

تصوف میں یوں تو مولانا کو خاص تعلق تھا لیکن بار بار قید فرنگ میں اس رنگ نے اور بھی پختگی اختیار کر لی۔ مولانا کا قول ہے کہ:

''تصوف جان مذہب ہے اور عشق جانِ تصوف''---

اور وہ اس بات کا اکثر ورد کرتے رہتے تھے۔ یہ مذاق حسرت پر اس قدر غالب ہے کہ ان کے کلام میں اس کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ کلیات حسرت کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے راہ سلوک و تصوف کو طے کر لیا تھا۔ فنا فی الشیخ سے فنا فی الرسول ہوئے اور درجۂ کمال یعنی فنا فی اللہ بھی حاصل کر لیا۔ کلیات کے ابتدائی حصوں میں شیوخ طریقت کی مدح سرائی ہے اور آخری حصوں میں نعت و حمد ہے۔ گویا عشق مرشد بڑھتے بڑھتے عشق رسول ﷺ تک پہنچا اور یہ سن کر تعجب ہوگا کہ سرمایہ کے فقدان کے باوجود انھوں نے ۱۳ رحج کیے۔ ایک مرتبہ خشکی کے راستے سے خانہ کعبہ گئے، بیگم بھی ساتھ تھیں، جس میں سفر کی بہت سی صعوبتیں اٹھانی پڑیں، مگر بصرہ،

بغداد، کاظمین، کربلائے معلی اور نجف اشرف سب کی زیارت سے مشرف ہو کر تزکیۂ نفس اور تصفیۂ روح کر سکے۔ چنانچہ آخری دور کے کلام میں خصوصیات کے ساتھ مدینہ، شاہ مدینہ، دیار مدینہ اور گنبد خضراء کی جانب تکرار سے اشارے پائے جاتے ہیں:

پھر آنے لگیں شہر محبت کی ہوائیں　　پھر پیش نظر ہو گئیں جنت کی فضائیں
اے قافلے والو! کہیں وہ گنبد خضراء　　پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں
ہاتھ آئے اگر خاک تیرے نقش قدم کی　　سر پر کبھی رکھیں، کبھی آنکھوں سے لگائیں

مزید فرمایا:

فنا ہے بقا مسلک عاشقی میں　　اگر رونما ہو دیار نبی ﷺ میں
سفر جب نہ ہو پھر مدینہ کا حسرت　　وہ کب آئیں گے دن تیری زندگی میں

مولانا حسرت موہانی کے کلام سے ان کے رنگ ایمانی، اس حسن لازوال، اس مجاہدۂ نفس، مشیت الٰہی اور عشق رسول ﷺ کو سمجھا جا سکتا ہے، جس نے حسرت کو دنیا کی ہر حسرت سے بے نیاز کر کے فکر عمل میں ایسا مستغرق رکھا کہ خود ان کے دل میں نعمت دید کے علاوہ اور کوئی حسرت باقی نہ رہی۔ فرماتے ہیں:

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے　　وہ کیوں نہ خوبی قسمت پہ اپنی ناز کرے
دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد　　ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
ترے کرم کا سزا وار تو نہیں حسرت　　اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

مصائب کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں عسرت اور زندانی کے پیہم مصائب میں جو چیز مولانا حسرت موہانی کی معاون تھی وہ اک جلوۂ جمال نورانی تھا۔ اسی لیے فرمایا:

برکتیں سب ہیں عیاں دولت روحانی کی
واہ کیا بات اس جلوۂ نورانی کی
شوق دیکھے تجھے کس آنکھ سے اے مہر جمال!
کچھ نہایت ہی نہیں تیری درخشانی کی
مجھ سے وہ سنگ بھی افضل، جسے عزت ہو نصیب
آستان حرم یار پہ دربانی کی

دربار رسالت ﷺ میں بھی حسرت کی دعائیں سن لیجیے، جہاں خیال غیر سے بیزاری،

جمالِ حسن کی تجلی، علمِ معرفت کی تمنا کے ساتھ جس حوصلہ کی دعا حسرت موہانی نے کی، نہیں معلوم کہ ہم میں سے آج کتنے لوگ اس حوصلۂ بلند کی تمنا بھی کر سکتے ہیں:

خیال غیر کو دل سے مٹا دو یا رسول اللہ!
خرد کو اپنا دیوانہ بنا لو یا رسول اللہ!
تجلی طور پر جس نور کی دیکھی تھی موسیٰ نے
ہمیں بھی اک جھلک اس کی دکھا دو یا رسول اللہ!
علی آگاہ جس سے ہو کے باب علم کہلائے
وہ راز عشق ہم کو بھی بتا دو یا رسول اللہ!

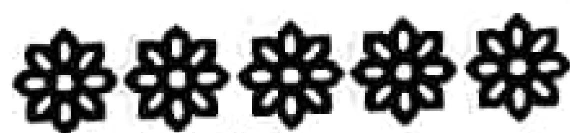
حسرت موہانی نے نعت گوئی بھی کی ہے اور عام غزلوں میں اپنے جذبۂ بے اختیار سے مجبور ہو کر نعتیہ اشعار بھی شامل کر دیے ہیں۔ اسی لیے تو کہا:

غریبوں سے کہتی ہے رحمت یہ ان کی — کہ ہیں بے نواؤں کے حاجت روا ہم
تری راہ میں مر مٹیں بھی تو کیا ہے — فنا ہو کے پائیں گے عیش بقا ہم

مولانا حسرت موہانی کی بیشتر نعتیں غزل کے پیکر میں لکھی گئیں ہیں، مگر ان غزلیہ نعتوں کا تسلسل ان کی شخصیت کی وحدت کی علامت ہے۔ مدینہ طیبہ کا ذکر ان کے کلام میں بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا:

پسند شوق ہے آب و ہوا مدینے کی
عجب بہار ہے صل علیٰ مدینے کی
بہ امتیاز، بہ تخصیص خواب گاہ رسول ﷺ
قلوب اہل ولا میں ہے جا مدینے کی
صعوبتوں میں بھی اک راحت سفر کی ہے شان
جو یاد رہتی ہے صبح و مسا مدینے کی

مولانا حسرت موہانی ۱۳؍مئی ۱۹۵۱ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے عاشق رسول ﷺ جنت البقیع کے مکینوں میں شمار کر لیے گئے ہوں گے۔



رازِ محبت

علامہ ابوالحقائق محمد رمضان المحقق النوری علیہ الرحمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۝﴾---[آل عمران:۳۱،۳۲]

''اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہوجاؤ، اللہ تمھیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دیجیے کہ فرماں برداری کرو اللہ کی اور رسول کی، پس اگر پھر جائیں پس تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا کافروں کو''---

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾---[البقرہ:۱۶۵]

''اور جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی محبت ہے''---

حدیث نمبر ۱

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ثَلٰثٌ مَّنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا وَ اَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَ اَنْ یَّکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ

فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ---[صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۷]

''تین خصلتیں ہیں، جس میں وہ ہوں گی، وہ ان کے بسبب ایمان کی شیرینی کو پائے گا:

۱ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ہر چیز سے پیارا ہو۔

۲ وہ جو کسی بندے سے محبت رکھے صرف رضائے حق تعالیٰ کے لیے۔

۳ وہ جو کفر میں لوٹنے کو پیچھے اس کے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بچالیا، اتنا برا سمجھے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو۔

حدیث نمبر ۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ---

[شرح السنۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۱۳]

''تمہارا کوئی بھی مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک اس کے دل کی خواہش میری لائی ہوئی تمام شریعت کے تابع نہ ہو جائے''---

حدیث نمبر ۳

اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ---[مشکوٰۃ، صفحہ ۴۲۵]

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، کہاں ہیں جو میرے جلال کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے تھے، آج میں ان کو اپنے سایہ میں رکھوں گا، آج میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں''---

حدیث نمبر ٤

جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَ لَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ---[صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲]

''ایک شخص نے عرض کی، یارسول اللہ! اس کے متعلق کیا خیال ہے جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ملا یعنی ان کی محبت حاصل نہ ہوئی یا اس نے ان جیسے

اعمال نہ کیے۔ارشاد فرمایا، آدمی اس کے ساتھ ہے، جس سے اسے محبت ہے"---

حدیث نمبر ۵

یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ جَلَالِیْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ یَغْبِطُهُمُ النَّبِیُّوْنَ وَ الشُّهَدَاءُ---[مشکوٰۃ، صفحہ ۴۲۶]

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو لوگ میرے جلال کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں، ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے، انبیاء و شہداء ان پر غبطہ کریں گے"---

حدیث نمبر ۶

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰی لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ---[شرح السنۃ، جلد ۲، صفحہ ۳۹]

"جو کسی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے، اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی رکھے، اللہ کے لیے دے اور اللہ کے لیے منع کرے، اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا"---

حدیث قدسی ہے:

مَنْ قُتِلَ فِیْ مَحَبَّتِیْ فَدِیَتُهٗ رُؤْیَتِیْ---

"جو میری محبت میں شہید ہوا، اس کی دیت میرا دیدار ہے"---

اللہ تعالیٰ کی محبت ایک بے مثل و بے قیمت دولت ہے کہ جس کو نصیب ہو، خدا و مصطفیٰ کا قریب حقیقی زندگی اور نعیم جنت سے فائز و بانصیب ہو کر بے مثل و بے قیمت بن گیا۔

مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ رَکَنَ اِلَی اللّٰهِ اَحْرَقَهُ اللّٰهُ بِنَارِ الشَّوْقِ فَصَارَ جَوْهَرًا لَا قِیْمَةَ لَهٗ---

"جو محبت بھرے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوا، اللہ تعالیٰ اسے نار شوق میں اس طرح جلاتا ہے کہ وہ انمول جوہر بن جاتا ہے"---

جس کو نصیب نہ ہوئی، محروم بے نصیب بنا۔ اس میں کامیاب ہونا اتباع محمد ﷺ پر موقوف ہے۔ جس نے شوق و محبت سے اس اتباع و اطاعت محبوب ﷺ کو اختیار کیا، وہی دعویٔ محبت میں صادق و سچا ہے، ورنہ کذاب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ﴾---[آل عمران: ۳۱]

"اے محبوب! تم فرما دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے

فرماں بردار ہو جاؤ"---

کلمہ ﴿قُلْ﴾ سے ظاہر ہے کہ ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ حکم خدا تعالیٰ کا بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا بھی، جس کا ماننا ضروری اور انکار کفر ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت ﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ﴾ [آل عمران:۳۲] سے واضح ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جو رسول مطاع ﷺ کی اتباع کا انکار کرے، وہ کافر ہے، دعویٔ محبت میں جھوٹا ہے۔ پھر اس کے مفہوم مخالف اور نص ﴿یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ﴾ سے صاف صاف ظاہر اور واضح ہو رہا ہے کہ ماننے والا مومن اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

نکتہ

محبت ہمیشہ کے لیے یہی چاہتا ہے کہ میں کسی بہانے اپنے محبوب کا محبوب بن جاؤں، میں اسے چاہتا ہوں، وہ مجھے چاہے، میں اس کے نزدیک ہوں، وہ میرے نزدیک ہو، میں اسے دیکھوں، وہ مجھے دیکھے۔ تو ﴿یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ﴾ کہہ کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو، اس میں کامیاب ہو جاؤ گے تو خدا تعالیٰ تمھیں مقرب بنا لے گا۔

اس کے شان نزول میں (روح المعانی، جلد۳، صفحہ۱۳۰/ خازن و معالم، جلد۱، صفحہ۲۸۴ میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ قریش کے پاس ٹھہرے، انھوں نے خانہ کعبہ میں بت نصب کیے تھے اور سجا سجا کر سجدے کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"اے گروہ قریش! خدا کی قسم تم اپنے آباء حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا خلاف کر رہے ہو"---

قریش نے کہا، ہم ان بتوں کو خدا کی محبت میں پوجتے ہیں تا کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کریں۔ اس پر یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی، جس میں یہ بتایا گیا کہ تم اپنے دعویٰ میں بالکل جھوٹے ہو۔ انداد خدا کی پرستش سے قرب خدا ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی تو صرف ایک ہی صورت ہے کہ ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ کی روشنی میں محبوب خدا ﷺ کے صدق دل سے پورے پورے متبع بن جاؤ، خدا کے مقرب بن جاؤ گے۔

راز یہ ہے کہ اس اتباع و پیروی سے حضور ﷺ کا قرب اور ساتھ نصیب ہوتا ہے کہ متبع اگر چہ ظاہری مسافت میں کتنا ہی دور ہو، اپنے پیشوا و مقتدیٰ کے قریب ہی ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ...... الآية﴾---[آل عمران:٦٨]

"بے شک ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ قریب وہی لوگ ہیں جو اس کی اتباع کرتے ہیں......الخ"---

اور کیوں نہ ہو جب کہ اس اتباع بالمحبت کی روح ہی محبت ہے، جو محبّ کے دل کی صفت ہے اور محبوب کو پہنچ جاتی ہے۔ جیسا کہ صیغۂ مفعول سے ظاہر ہو رہا ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب دل بھی جانے کہ صفت (حب) اپنا موصوف (دل) چھوڑ کر تو جا نہیں سکتی، جس سے معلوم ہوا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دل ہی چلا جاتا ہے۔

بعض مشائخ عظام نے محبت کی تعریف ہی یہی فرمائی ہے:

هِيَ اتِّصَالُ الْقَلْبِ بِالْمَحْبُوْبِ بِلَا وَاسِطَةٍ---

"دل کے محبوب سے بلا واسطہ ملنے کا نام محبت ہے"---

محبوب کے محبّ و متبع، کوئی مشرق میں، کوئی مغرب میں، کوئی روم میں، کوئی شام میں، مگر دل سب کے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں۔ کسی نازک مزاج عاشق نے اس راز محبت کو کیا ہی انداز سے بیان کیا ہے:

از باد صبا دلم چوں بوئے تو گرفت — بگذاشت مرا جستجوئے تو گرفت
اکنوں زمن خستہ نمے آرد یاد — بوئے تو گرفتہ است خوئے تو گرفت

اور باقی اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب یہ بیمار ہو جاتا ہے تو سب بیمار ہو جاتے ہیں اور یہ تن درست ہو جاتا ہے تو تن درست ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ ابوجہل بیمار تھا، آنکھیں بیمار ہو گئیں، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل صحیح و تندرست اور نور ایمان سے منور و مزین تھا اور آنکھیں بھی ایسی ہی تھیں۔ جس کی وضاحت مثنوی کے ان اشعار سے ہو رہی ہے:

مصطفیٰ را دید بوجہل و بگفت — زشت نقشِ کز بنی ہاشم شگفت
دید صدیقش بگفت اے آفتاب — نے ز شرقی نے ز غربی خوش متاب

ایک اور صاحب فرماتے ہیں:

ابو جہل اشدّ اندھا کیا دیکھے محمد کو
جو صدیقوں نے دیکھی ہے، وہ صورت ہے محمد کی

تو جب محبوب خدا ﷺ کے پاس دل پہنچا، جو متبوعِ اعضاء ہے، تو باقی اعضاء بھی پہنچ جائیں گے:

جان و دل ، ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

حضور پرنور علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ---[صحیح مسلم، جلد۲، صفحہ۳۳۲]

اس اسمیت جملہ سے پر ظاہر کہ آدمی محبت کی وجہ سے ہمیشہ اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے۔

مثنوی شریف دفتر پنجم، صفحہ۲۰ میں ہے:

تا معیّت راست آید زاں کہ مرد — تا کسے بُخت ست کو را دوست کرد
ایں جہان و آں جہاں با او بود — ویں حدیث احمد خوش خو بود
گفت اَلْمَرْءُ مَعَ مَحْبُوْبِہٖ — لَا یَفُکُّ الْقَلْبُ عَنْ مَطْلُوْبِہٖ

نکتہ

اس معنوی معیت سے تمام محبّ، انبیاء و صدیقین و شہداء، نبی کریم ﷺ کے محبوب ہیں، تو اطاعت و محبت سے وہاں پہنچنے والا ان تمام کی معیت سے نوازا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا﴾---[النساء:۶۹]

"جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کرے تو وہ ان کے ساتھ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"---

پھر حضور پرنور ﷺ اللہ تعالیٰ کے خاص محبوب ہیں، تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص معیت سے حضور ﷺ کے ساتھ ہے، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ کیا سنا نہیں کہ وہ اپنے ذکر کرنے والوں کے پاس ہوتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ---

"میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے)"---

تو ایمان سے بتاؤ جو ہوئی ذکر، اس کے پاس خدا نہ ہوگا؟ خود ہی فرمایا:

جَعَلْتُکَ ذِکْرًا مِّنْ ذِکْرِیْ---[شفاء، صفحہ۲۰]

''میں نے تجھے اپنے ذکر سے ذکر بنایا ہے''---

ارشاد فرمایا:

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾---[توبہ:۴۰]

''جب اپنے یار سے فرماتے تھے، غم نہ کھا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''---

تو جو اتباع و اطاعت سے محبوب خدا ﷺ کے پاس پہنچا، جانو کہ خدا کے پاس پہنچا۔ کسی عاشق نے اپنے انداز میں خوب فرمایا:

ماہی نال جس دی، رضا مل گئی ملیا یار تے ذات خدا مل گئی

مولانا جامی علیہ الرحمۃ، حدیث پاک مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ کو دیکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

خود گفت ہر آں کس کہ مرا دید خدا دید
یعنی شدہ آئینۂ حق روئے محمد ﷺ

مختصر یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ کے محبت بھرے اتباع و اطاعت سے قرب و معیت الٰہی نصیب ہوتی ہے اور دولت محبوبیت سے نوازا جاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِیْ---[تفسیر کبیر، جلد۱، صفحہ۲۶۳]

''میں ان کے پاس ہوں جن کے دل میرے لیے ٹوٹے ہوئے ہیں''---

اب آگے چلیے، جب تک کسی چیز کے حسن و جمال کی صورت و نقشہ شغاف (پردہ) دل میں داخل نہ ہو جائے، دل ادھر مائل و متوجہ نہیں ہوتا، اگر خواب میں آ کر دل کے پردوں میں بیٹھ نہ جائے۔ فرمایا:

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا---[یوسف:۳۰]

''تحقیق بیٹھ گیا اس کے دل میں یوسف علیہ السلام از روئے محبت کے''---[۱]

تو زلیخا نے کیا عاشق ہونا تھا؟ اسے تو خواب و خیال ہی نہ تھا کہ کوئی یوسف بھی ہے، مگر اب یہ عالم ہے:

ما را کہ نقش روئے تو بنشت در ضمیر
بعد از تو ہیچ نقش نیفتاد دل پذیر

[۱]......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نے تفسیر مظہری میں یہی معنی بیان کیا ہے، حیث قال:

قد شغفها حباً يعني شق يوسف شغاف قلبها فدخل فيه حبا---

پھر جس طرح جمال وخصال یار کا یہ نقشہ محبوب کی پیروی اور اتباع سے بڑھتا جاتا ہے، دل کا میلان اور توجہ بھی بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ فنا فی المحبوب کا درجہ آ جاتا ہے:

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں
مجھ میں تو ایسا سما جائے کہ تو ہی تو رہے

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کی، محبت بھرے دل سے پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

اس آیۂ کریمہ میں اتباع محبوب ﷺ جس سے مراد یہاں محبت کے ساتھ پیروی کرنا ہے، محبت الٰہی پر مرتب ہے۔ جس سے پتا چلا کہ نبی کریم ﷺ کی محبت و پیروی کے بغیر خدا کی محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے اور اطاعت خدا ناممکن۔ پھر ان دونوں پر یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ مرتب ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی صحیح معنی میں خدا کا محب ہے، خدا کا محبوب بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ﴾---[المائدہ:۵۴]

''اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھتے ہیں''---

اور یہ سب صدقہ ہے، اتباع نبی ﷺ کا:

تو درو گم شو وصال این است و بس

جب حضور ﷺ کی پیروی کرنے والے خدا کے محبوب ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی بخشش نہ فرمائے گا؟ خود ہی تو فرمایا ہے:

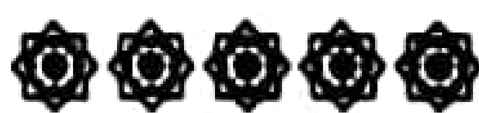
﴿وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾---[آل عمران:۳۱]

''اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے''---

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو ان کی طرف دیکھے، اس کے گناہ بھی گر جاتے ہیں۔ حضرت حسام اپنے رسالہ انیس العاشقین میں فرماتے ہیں:

وَ عَنْهُ علیہ السلام مَنْ نَظَرَ اِلٰی وُجُوْهِ الْاَتْقِیَاءِ تَنَاثَرَ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَنَاثَرَ الْاَوْرَاقُ مِنَ الشَّجَرِ---

''حضور علیہ السلام سے ہے کہ جو شخص متقیوں کی طرف نظر کرے، اس کے گناہ اس طرح گرتے ہیں، جس طرح درخت سے پتے گرتے ہیں''---



سنکھوں سلام

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں کی شرکت اجر کے ساتھ، انہیں کی زمین میں

آپ کی طبع رحمت پہ سنکھوں سلام
حشر کے دن بھی شفقت پہ سنکھوں سلام

صرف اپنوں پہ مخصوص کب ہے کرم!
بہر اعداء ، عنایت پہ سنکھوں سلام

حسن سیرت کی اک اک ادا منفرد
انفرادی فضیلت پہ سنکھوں سلام

آپ جیسی رسالت کسے دی گئی
اوجِ شانِ رسالت پہ سنکھوں سلام

تا ابد آپ کا عہدِ نامختتم
طولِ عمرِ نبوت پہ سنکھوں سلام

اک سرا ہے ازل ، اک سرا ہے ابد
سلکِ نورِ حقیقت پہ سنکھوں سلام

سجدہ اللہ کے واسطے بے گماں
طرزِ تعلیمِ وحدت پہ سنکھوں سلام

ہر عمل منجلی ، ہر قدم راہبر
حسنِ فیضانِ سیرت پہ سنکھوں سلام

دین و دنیا میں یکساں ہے شانِ کرم
ان کی بے مثل شفقت پہ سنکھوں سلام

ان کی عادت جدا ، ان کی سیرت جدا
یمنِ اعجازِ فطرت پہ سنکھوں سلام

رحمتوں کا تسلسل عطا ہو گیا
منبعِ خلاقِ نعمت پہ سنکھوں سلام

کوئی مخلوق میں آپ جیسا نہیں
شاہ کارِ مشیت پہ سنکھوں سلام

بہرِ تائید قرآں اتارا گیا
معجزانہ صداقت پہ سنکھوں سلام

مہرباں ہو گئے ، سروری بخش دی
فقر پیرا طبیعت پہ سنکھوں سلام

سب کو معنی شرافت کے سمجھا دیے
ان کی یکتا شرافت پہ سنکھوں سلام

منفرد وضع اخلاق و کردار میں
مطلعِ آدمیت پہ سنکھوں سلام

بارگاہ الٰہی میں سجدے کیے
بندگی کی علامت پہ سنکھوں سلام

کتنے پیغمبروں سے نسب جا ملا — امتیازِ نجابت پہ سنکھوں سلام
ناز فرما عرب کی زمیں آج تک — خاندانی سیادت پہ سنکھوں سلام
اتباعِ سنن ، مغفرت کی سند — ان کی ایک ایک سنت پہ سنکھوں سلام
روحِ کونین دامن سے لپٹی ہوئی — پاک دامن کی وسعت پہ سنکھوں سلام
بخشوائیں گے ، اپنا وہ ہر امتی — رحمتِ بے نہایت پہ سنکھوں سلام
ہر قدم شرح و تفسیر قرآن کی — ان کے نظم شریعت پہ سنکھوں سلام
سب کو اللہ سے آ کے ملوا دیا — داعیٔ سلکِ وحدت پہ سنکھوں سلام
فتح مکہ اسی کا ثبوتِ جلی — اوجِ فاراں کی دعوت پہ سنکھوں سلام
مغفرت عاصیوں کی ، ثبوتِ کرم — ان کی دینی حرارت پہ سنکھوں سلام
کوئی ایسا نہیں ، آپ جیسا نہیں — نورِ مظہرِ وجاہت پہ سنکھوں سلام
چھو کے آئی ضریحِ مبارک تو پھر — مہرباں موجِ نکہت پہ سنکھوں سلام
ہر بصارت انہیں دیکھ سکتی نہیں — ان کو حاصل بصیرت پہ سنکھوں سلام
آرزوؤں میں سب سے بڑی آرزو — دیکھ لینے کی حسرت پہ سنکھوں سلام
جمع اعداء ہیں مسلم کشی کے لیے — ان کی مظلوم امت پہ سنکھوں سلام
جب وہ معراج کی شب سفر پر گئے — عرشِ مظہرِ حقیقت پہ سنکھوں سلام
دوسروں سے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی عظمت ہوا — امتیازِ رفاقت پہ سنکھوں سلام
جاہلیت عرب سے ہوا ہو گئی — اختصاصِ ہدایت پہ سنکھوں سلام
ان کا ہر لفظ اک جنتِ سامعہ — اس یگانہ فصاحت پہ سنکھوں سلام
دہر میں وہ خطاب و تکلم کہاں؟ — اس لسانی طلاقت پہ سنکھوں سلام
معترف ہو گیا ہر دماغِ عرب — انتہائے بلاغت پہ سنکھوں سلام

نعت کی خود اجازت ظہوری کو دی
اس خصوصی عنایت پہ سنکھوں سلام

سید انوار ظہوری

✿✿✿✿✿

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور علامہ اقبال

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

علامہ اقبال کے بارے میں مشہور ہے کہ جب ان کے سامنے رحمت عالم ﷺ کا نام نامی لیا جاتا یا وہ حضور ﷺ کی رحمت ورافت کا ذکر خیر سنتے تو وفور جذبات سے ان کی آنکھیں اشک بار ہو جاتیں۔ علامہ کی اس کیفیت اور عشق رسول ﷺ کی ہر اس شخص نے گواہی دی ہے جو زندگی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا غلام بھیک نیرنگ لکھتے ہیں:

> ''اقبال کا قلبی تعلق حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات قدسی صفات سے اس قدر نازک تھا کہ حضور ﷺ کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی...... ...... چونکہ میں بارہا ان کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا اس لیے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا، مگر خاص لوگوں سے بطور راز ضرور کہا کہ اگر یہ حضور ﷺ کے مرقد پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے، وہیں جاں بحق ہو جائیں گے'' ---

[مجلہ اقبال، ماہ اکتوبر، ۵۷ء، صفحہ ۳۰]

علامہ کے عشق رسول ﷺ کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی مسلمان حضور پرنور ﷺ کا نام نامی معمولی طریقے سے لیتا، تو ان کی حالت غیر ہو جاتی۔ حکیم محمد حسن قرشی راوی ہیں کہ زندگی کے آخری دنوں میں کچھ لوگ ان سے ملنے کے لیے گئے، دیکھا کہ طبیعت نہایت بے چین ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، پوچھا، خیر ہے؟ کہنے لگے:

> ''آج ایک مسلمان نوجوان مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا، حضور ﷺ کو بار بار محمد صاحب کہتا تھا، مجھے سخت دکھ ہوا کہ جس قوم کے نوجوانوں کا یہ حال ہو، اس کا انجام کیا ہوگا'' -----

عشق رسول ﷺ کی یہ دولت علامہ کو اپنے والد ماجد کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی، جو

نہایت دین دار اور عاشقِ رسول ﷺ بزرگ تھے۔ ''رموزِ بے خودی'' میں علامہ نے اپنے والد کا ایک واقعہ نظم کیا ہے، اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے والد نے ان کی تربیت کس طرح کی۔ علامہ لکھتے ہیں:

''ایک روز ایک گدائے مبرم ہمارے دروازے پر آیا، میں نے اس سے بہت کہا کہ معاف کر، لیکن وہ تھا کہ ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا۔ آخر میں نے غصے میں اس کے سر پر ڈنڈا رسید کیا، میرے اس فعل کا والد کو علم ہوا تو انہیں بڑا رنج ہوا، چہرہ افسردہ ہو گیا، دل سے آہیں نکلنے لگیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل کانپ اٹھا، فرمانے لگے ''کل قیامت کے روز جب حضور ﷺ کی امت ان کے گرد جمع ہو گی، جن میں غازیانِ ملت بیضا بھی ہوں گے اور حکمت دین کے محافظ بھی، صدیق بھی ہوں گے اور شہداء بھی، زہاد بھی ہوں گے اور عاشقانِ دل فگار بھی، عالم باعمل بھی ہوں گے اور گنہ گار بھی، ایسے میں اس گدائے دردمند کا نالہ بلند ہو گا۔ اس وقت حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے تجھے ایک نوجوان عطا کیا تھا، کیا تو یہ آسان کام بھی نہ کر سکا کہ اس کو آدمی بنا دیتا۔ بتا! میں اس وقت حضور ﷺ کو کیا جواب دوں گا''-----

پھر بیٹے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

اندکے اندیش و یاد آور پسر — اجتماعِ امت خیر البشر
باز ایں ریش سفید من نگر — لرزۂ بیم و امید من نگر
بر پدر ایں جور نازیبا مکن — پیش مولا بندہ را رسوا مکن
غنچۂ از شاخسارِ مصطفیٰ — گل شو از باد بہار مصطفیٰ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت — بہرۂ از خلق او باید گرفت

''اے بیٹے! ذرا امت خیر البشر کے اس اجتماع کا خیال کر اور پھر میری سفید داڑھی اور اس روز امید و بیم کی وجہ سے میرے جسم لرزاں کو دیکھ۔ باپ کے ساتھ ایسا نازیبا ظلم روا نہ رکھ کہ وہ آقا ﷺ کے سامنے رسوا ہو جائے، تو شاخِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک غنچہ ہے، مصطفیٰ ﷺ ہی کی بادِ بہاری سے پھول بننے کی کوشش کر''-----[صفحہ ۱۵۲]

علامہ کی زندگی پر بچپن کے اس واقعے کا بڑا اثر تھا، قیامت کے روز حضور ﷺ کے سامنے پیش ہونے کے تصور ہی سے وہ کانپنے لگتے تھے۔ ''ارمغانِ حجاز'' میں لکھتے ہیں:

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر　　شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ ما را　　حساب من ز چشم او نہاں گیر [صفحہ ۲۳]

''جب یہ بوڑھا جہان خاتمے کو پہنچے اور ہر پوشیدہ (چھپی ہوئی) تقدیر ظاہر ہو جائے (یعنی قیامت آ جائے اور ہر انسان کے پوشیدہ اعمال اس کے سامنے آ جائیں) اے اللہ! اس روز مجھے میرے خواجہ (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کے سامنے رسوا نہ کرنا، میرا حساب ان کی نگاہ سے بچا کر لینا''-----

اہل عشق کے احساسات بسا اوقات فہم انسانی سے وراء ہوتے ہیں، جن کی توجیح مشکل ہے۔ ان احساسات کا تعلق غلبۂ عشق سے ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں خربوزہ اس لیے نہیں کھایا تھا کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے استعمال کیا ہے یا نہیں؟ ''جوہر اقبال'' میں حضرت علامہ کے عشق رسول ﷺ کا یہ واقعہ بھی درج ہے کہ:

''پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے ایک قانونی مشورے کے لیے علامہ اقبال اور سر فضل حسین اور ایک دو اور مشہور قانون دان اصحاب کو اپنے ہاں بلایا اور اپنی شان دار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا، رات کو جس وقت علامہ اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لیے گئے، تو ہر طرف عیش و تنعم کے سامان دیکھ کر اور اپنے نیچے نہایت نرم اور قیمتی بستر پا کر معاً ان کے دل میں خیال آیا کہ جس رسول پاک ﷺ کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ مرتبے نصیب ہوئے ہیں، اس نے تو بوریے پر سو کر زندگی گزار دی تھی۔ یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی، اس بستر پر لیٹنا ان کے لیے محال ہو گیا، اٹھے اور برابر کے غسل خانے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور مسلسل رونا شروع کر دیا۔ جب ذرا دل کو قرار آیا، تو اپنے ملازم کو بلا کر بستر کھلوایا اور ایک چارپائی اسی غسل خانے میں بچھوائی اور جب تک وہاں مقیم رہے، اسی غسل خانے میں سوتے رہے''-----[جوہر اقبال، مرتبہ محمد حسنین سید، صفحہ ۴۰]

بوریا ممنون خواب راحتش　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش
در شبستان حرا خلوت گزید　　قوم و آئین و حکومت آفرید
ہر کہ عشق مصطفیٰ ﷺ سامان او　　بحر و بر در گوشۂ دامان او

علامہ کے عشق رسول کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کی مجلس میں غازی علم الدین کی شہادت اور

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَهٗ

راجپال کی دریدہ دہنی کا ذکر آیا تو علامہ یہ سن کر اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، جب حالت بہتر ہوئی تو رقت انگیز لہجہ میں فرمایا:

''میں تو یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ تمہارے پیغمبر نے ایک دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے''---[روزگار فقیر، جلد اول، صفحہ ۱۱۳]

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے حضرت علامہ کے جو ملفوظات محفوظ کیے ہیں، ان میں علامہ مرحوم کا یہ جملہ بھی ہے جو غازی علم الدین کی شہادت کے زمانے میں ان کی زبان سے بار بار سنا گیا:

''اسی گلاں کردے رہے، تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا''-----

(یعنی ہم محض باتیں ہی بناتے رہے اور نجار کا بیٹا (علم الدین) بازی جیت گیا)

[بحوالہ روزگار فقیر، جلد دوم، صفحہ ۳۰]

حضرت علامہ کی زندگی عشق رسول مقبول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ایسے واقعات و ملفوظات سے بھری پڑی ہے، یہ ایمان افروز واقعات پڑھنے والے کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتے ہیں اور اسے بھرپور اتباع رسول ﷺ کی دعوت دیتے ہیں، اگر کوئی شخص علامہ سے پوچھتا کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ کا دیدار کیسے ہوسکتا ہے؟ تو وہ جواب میں ایک بزرگ کے حوالے سے فرماتے کہ پہلے حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا شعار بناؤ اور اپنی زندگی اس میں ڈھالو، اس کے بعد اپنے آپ کو دیکھو، یہی ان کا دیدار ہے۔[روزگارِ فقیر، جلد اول، صفحہ ۶۸]

خود حضرت علامہ اپنی تمام تر عزت و نیک نامی اور مقبولیت کو حضور پرنور ﷺ کی ذات گرامی کا صدقہ قرار دیتے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید ملک (کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور) کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ آپ حکیم الامت کیسے بنے؟ علامہ نے بلاتوقف فرمایا:

''درود شریف کی برکت سے۔ پھر فرمایا میں نے گن کر ایک کروڑ مرتبہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھا ہے۔ میری یہ مقبولیت سرکار رسالت مآب ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی بدولت ہے''-----[بحوالہ ماہنامہ درویش، اکتوبر ۱۹۹۸ء]

عاشق صادق، پیر صادق بھی ہوتا ہے، علامہ کا یہ حال تھا کہ آخر عمر میں اس تصور ہی سے پریشان ہو جاتے تھے کہ کہیں ان کی عمر رحمت عالم ﷺ کی عمر مبارک سے زیادہ نہ ہو جائے۔ حکیم احمد شجاع راوی ہیں کہ میں ایک بار علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں بے حد فکرمند اور مغموم پایا، میں نے وجہ پوچھی تو نہایت ہی غم انگیز لہجے میں فرمایا:

''احمد شجاع! یہ سوچ کر میں اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ ﷺ کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے''-----[روزگارِ فقیر، جلد دوم، صفحہ ۷۲]

ایک بار علامہ کی محفل میں حج بیت اللہ کا تذکرہ ہو رہا تھا، محفل میں بیٹھے ہوئے ایک بے تکلف دوست نے علامہ سے کہا، اقبالؒ! تم یورپ ہو آئے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ واپسی میں روضۂ اطہر پر بھی حاضری دیتے۔ یہ سننا تھا کہ علامہ کی حالت غیر ہو گئی، روتے جاتے اور بار بار کہتے:

''میں کس منہ سے روضۂ اطہر پر حاضر ہوتا''----

مضمون کے آغاز میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ کوئی شخص بے احتیاطی سے رسول اللہ ﷺ کا نام نامی لیتا، تو علامہ نہایت آزردہ خاطر ہوتے، بالکل یہی معاملہ مدینہ طیبہ کے ساتھ بھی تھا:

خاکِ یثرب از دو عالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ آں جا دلبر است

مدینہ طیبہ کا ذکر خیر وہ نہایت درجہ ادب و احترام سے کرتے تھے۔ ۱۲؍اگست ۱۹۱۸ء کو ایک دوست کو خط میں لکھتے ہیں:

''کل شام سے میری طبیعت نہایت مشتعل ہے............ انگریزی اخبار نے مدینہ منورہ کی بہت توہین کی ہے۔ کمزوروں کے پاس بد دعا کے سوا کیا ہے''-----[اقبال اور سیاست ملی، مرتبہ رئیس احمد جعفری، صفحہ ۹۹]

۱۹۳۵ء میں علامہ نے حج کا ارادہ کیا، لیکن پھر ایسے بیمار ہوئے کہ سفر کے قابل نہ رہے، اس بیماری کے عالم میں انہیں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کا ہر آن دھیان رہا، اس دوران وہ روحانی طور پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سفر میں رہے اور اشعار کی صورت میں اپنے تاثرات بھی قلم بند کرتے رہے، وفات سے چند روز قبل حافظ اسلم جیراجپوری ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، دوران گفتگو ''سفر حج'' کا بھی ذکر آیا، علامہ نے فرمایا:

''میں دو سال سے ارادۂ سفر حج میں ہوں، بلکہ وہ اشعار بھی لکھ چکا ہوں، جو اس سفر سے متعلق ہیں''-----[آثار اقبال، صفحہ ۹۰]

علامہ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ وفات کے بعد دیار حبیب میں دفن ہوں۔ اس خواہش کا اظہار انہوں نے آقائے نامدار، سرکار مدینہ ﷺ کے حضور یوں کیا ہے:

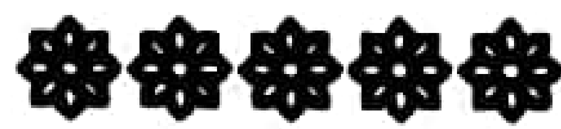
شرم از اظہار او آید مرا — شفقت تو جرأت افزاید مرا
ہست شان رحمت گیتی نواز — آرزو دارم کہ میرم در حجاز

مسکن یار است وشہر شاہ من — پیش عاشق ایں بود حب الوطن

کوکبم را دیدۂ بیدار بخش — مرقدے در سایۂ دیوار بخش

با فلک گویم کہ آرامم نگر — دیدۂ آغازم انجامم نگر [اسرار ورموز]

''یا رسول اللہ! مجھے اپنے دلی آرزو ظاہر کرنے سے شرم آتی ہے، لیکن آپ ﷺ کی شفقت سے میرا حوصلہ بڑھتا ہے۔ آپ کی رحمت ایک دنیا کو نوازتی ہے، میری خواہش ہے کہ میں مدینہ منورہ (حجاز) میں مروں کہ یہ میرے شاہ کا شہر ہے اور میرے دم ساز کا مسکن ہے۔ عاشق کے سامنے اسی وطن کی محبت رہتی ہے، یا رسول اللہ! میرے ستارۂ قسمت کو بھی بیداری عطا فرمایئے، میری قسمت بھی چمک اٹھے، اگر آپ ﷺ اپنی دیوار کے سائے میں قبر کی جگہ عطا فرمائیں۔ تاکہ میرے بے سکون دل کو قرار آ جائے، جو پارے کی طرح بے قرار ہے۔ میں آسمان سے کہہ سکوں، میری آرام گاہ دیکھ، تو نے میرا آغاز بھی دیکھا تھا، میرا انجام بھی دیکھ!



تعزیت

o گزشتہ دنوں حضرت غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کی لخت جگر اور دیوان سید آل شاہد معینی (جگر گوشہ وسجادہ نشین حضور سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمہ) کی شریک حیات دار فنا سے دار بقا کی طرف روانہ ہوگئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

انہوں نے ساری زندگی اپنے والد گرامی قدر کے عظیم مشن کی تکمیل کے لیے وقف رکھی اور اسی کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں۔ اللہ تعالیٰ جل وعلا مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ ہم اس صدمہ میں مرحومہ کے اہل خانہ، کاظمی برادران اور جملہ ارادت مندوں کے ساتھ شریک غم ہیں---

o ممتاز عالم دین پیر طریقت حضرت مولانا حافظ محمد رفیق قادری، بانی جامعہ انوار المصطفیٰ سکھر بھی وصال فرما گئے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد عارف سعیدی اور دیگر صاحبزادگان کو ان کے مشن پر گامزن رہتے ہوئے خدمات دینیہ کی توفیق مرحمت فرمائے---

گزشتہ دنوں وابستگان دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے:

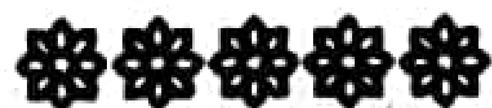
o مولانا نذر محمد نوری، واں جلے والی نزد بصیر پور کی اہلیہ محترمہ---اور

o چودھری نذیر احمد نوری، چاہ بختاں والا بصیر پور کے ماموں جان قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے-----

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

قسط اول

شعر جو شاعروں کو پیچھے چھوڑ گئے

خالد یزدانی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یہ شعر اور اس طرح کے لاتعداد اشعار ایسے ہیں جو کسی نہ کسی مضمون اور کتاب میں لکھے دکھائی دیتے ہیں:

جو چپ رہے گی زبان خنجر　　لہو پکارے گا آستیں کا

اسی طرح مندرجہ بالا شعر بھی اکثر کہیں نہ کہیں پڑھنے کو مل جاتا ہے اور ایسے لاتعداد اشعار ہیں جہاں جہاں اردو بولی، لکھی یا سمجھی جاتی ہے، مقبول عام ہیں، مگر یہ کم کم لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر کس شاعر کا ہے۔ شعر کی شہرت اکثر شاعر کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے، ہم نے ذیل میں ان ہی اشعار کو شعراء کرام کے نام کے ساتھ لکھا ہے، جو آج بھی اور کل بھی مقبول تھے، مگر ان کے شاعروں کے بارے میں لوگ کم جانتے ہیں:

محمد کا جہاں پر آستاں ہے　　زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے

[امام دین گجراتی]

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا　　بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی

[خالد شریف]

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے　　بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

[غالب]

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی　　دنیا کی وہی رونق، دل کی وہی تنہائی

[صوفی تبسم]

انداز ہو بہو تری آواز پا کا تھا　　دیکھا نکل کے گھر سے تو جھونکا ہوا کا تھا
[احمد ندیم قاسمی]

گو ذرا سی بات پہ برسوں کے یارانے گئے　　لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے
[خالد غزنوی]

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں　　تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے
[مصطفیٰ زیدی]

وقت کی دھوپ سے بچ کر جو نکل جائے گا　　وہ کسی سایۂ دیوار سے جل جائے گا
[طالب جوہری]

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں　　بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
[انشاء اللہ خاں انشاء]

یہ اعجاز ہے اپنی آوارگی کا　　جہاں بھی گئے داستاں چھوڑ آئے
[حبیب جالب]

آنسو کو کبھی اوس کا قطرہ نہ سمجھنا　　ایسا تمہیں چاہت کا سمندر نہ ملے گا
[بشیر بدر]

تمہارے ہجر کی صدیاں، تمہارے وصل کے دن　　میں اس شمار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
[وصی شاہ]

اب تو گھبرا کہ یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
[محمد ابراہیم ذوق]

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر　　سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے
[امیر مینائی]

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
[حسرت موہانی]

رُخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں　　ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے
[داغ دہلوی]

دامن قلم کا چاند ستاروں سے بھر گیا

دیوانہ مصطفیٰؐ کا مدینے میں مر گیا
زنجیر ساتھ لے کے لحد میں اتر گیا

دل میں خیالِ خلدِ مدینہ ہے اس لیے
دامن قلم کا چاند ستاروں سے بھر گیا

خاکِ درِ حضور کی چادر لپیٹ کر
مخلوقِ ہر زماں کا مقدر سنور گیا

رکھتا ہوں پاس نقشِ کفِ پا کی چاندنی
ہر انحطاط فکر و نظر کا ٹھہر گیا

اشجارِ شہرِ سرورِ کونین کی طرف
چشمِ تصورات میں اک بے ہنر گیا

میں بارگاہِ نورِ مجسم میں ہم سفر!
ام شب بھی ذوق و شوق سے بے بال و پر گیا

آداب حاضری کے تھے معلوم کب، مگر
میں اپنے ساتھ لے کے یہی چشمِ تر گیا

بچے سنا رہے تھے مجھے نعتِ مصطفیٰؐ
ہر لفظ پھول بن کے فضا میں بکھر گیا

نظروں میں میری گنبدِ خضرا ہے آج بھی
کیسے کہوں بہار کا موسم گزر گیا

یہ آرزو ہے حشر کے میدان میں حضور
پوچھیں ابھی ریاضؔ ادھر تھا کدھر گیا

ریاض حسین چودھری



تضمین بر کلام حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی

از پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی

مرحبا رنگ ہے کیا سب سے نرالا تیرا　　جھوم اُٹھا جس نے پیا وصل[۱] کا پیالا تیرا
اولیا ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُجالا تیرا　　واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اُونچے اُونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

جیسے چاہے تری سنتا ہے سناتا ہے تجھے　　حسبِ تدبیر سلاتا ہے جگاتا ہے تجھے
اپنی مرضی سے اُٹھاتا ہے بٹھاتا ہے تجھے　　قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ ترا چاہنے والا تیرا

بخدا مملکتِ فقر کا تو ناظم[۲] ہے　　تاجداروں پہ سدا دھاک[۳] تری قائم ہے
کیوں نہ راحم[۴] ہو کہ اللہ ترا راحم ہے　　کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے
کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا

میں کہاں اور کہاں تیرا مقامِ قربت　　میری اوقات ہی کیا تھی کہ یہ پاتا رِفعت
تیری چوکھٹ نے عطا کی یہ مسلسل عزت　　تجھ سے در، در سے ہے سگ، سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

ہم درِ غیر کو خاطر میں بھلا کیا لاتے　　عمر گزری تری دہلیز پہ ٹکڑے کھاتے
کوئی کیوں مارے، ترے ہوتے، ترا کہلاتے　　اِس نشانی کے جو سگ ہیں، نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

۱......قصیدہ غوثیہ کے مطلع سقانی الحب کأسات الوصال کی طرف اشارہ،
۲......نظم و نسق سنبھالنے والا، ۳......رعب، ۴......رحم کرنے والا

علم میں فرد[۱] کہ وہ زہد میں یکتا ہوں گے ——— اہل سجادہ و تسبیح و مصلّٰی ہوں گے
میں نے مانا کہ فضائل میں وہ کیا کیا ہوں گے ——— جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

معترض کے لیے ہر چند یہ ہے طُرفہ مطاف[۲] ——— ہے مگر اہلِ بصیرت کو یہ منظر شفّاف
آنکھ والوں نے یہ دیکھا ہے بچشمِ انصاف ——— سارے اقطابِ جہاں کرتے ہیں کعبے کا طواف
کعبہ کرتا ہے طوافِ درِ والا تیرا

حسنی پھول! ترا روئے دل آرا گل زار ——— ہو کے جلووں میں ترے محو نظارا گل زار
جھوم کر لہجۂ خوش بو میں پکارا گل زار ——— تو ہے نوشاہ، براتی ہے یہ سارا گل زار
لائی ہے فصلِ سمن[۳] گوندھ کے سہرا تیرا

اُن پہ خالق نے کیا ہے یہ خصوصی انعام ——— کب وہ مایوس ہوئے، اُن کا رُکا کون سا کام
کون سے ملک میں حاصل نہ ہوا اُن کو مقام ——— راج کس شہر پہ کرتے نہیں تیرے خدّام
باج[۴] کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا

تو جو مائل بہ کرم ہو تو نہیں لگتی دیر ——— پھر ڈراتا نہیں انسان کو تقدیر کا پھیر
غیر محدود ہے شاہا تری برسات کا گھیر ——— مزرعِ[۵] چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کِشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

کم نظر کاش کسی طور تجھے پہچانیں ——— حسد و بغض کو چھوڑیں، تجھے دل سے مانیں
تجھے بخشیں تیرے اللہ نے کیا کیا شانیں! ——— سُکر[۶] کے جوش میں جو ہیں، وہ تجھے کیا جانیں
خضر کے ہوش سے پوچھے کوئی رُتبہ تیرا

وسوسہ ذہن میں ڈالے جو کسی کے خنّاس[۷] ——— نیک و بد کا اُسے رہتا نہیں ہرگز احساس
کر گزرتا ہے جہالت میں وہ کیا کیا بکواس ——— آدمی اپنے ہی احوال پہ کرتا ہے قیاس
نشے والوں نے بھلا سکر نکالا تیرا

۱..... بے مثل، ۲..... طواف کی عجیب جگہ، ۳..... چنبیلی، ۴..... ٹیکس، ۵..... کھیتی، ۶..... نشہ، ۷..... دبکنے والا، مراد ابلیس

صحو و تمکیں [۱] نے عجب رنگ جمایا تجھ پر ۔۔۔ سکر و مستی کا کوئی لمحہ نہ آیا تجھ پر
سائباں فضل کا خالق نے لگایا تجھ پر ۔۔۔ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ [۲] کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ، ذکر ہے اونچا تیرا

تا بہ کے [۳] ذہن کو بہکائیں گے اعدا تیرے ۔۔۔ اپنے انجام سے گھبرائیں گے اعدا تیرے
مرگ ذلت سے نہ بچ پائیں گے اعدا تیرے ۔۔۔ مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے ، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

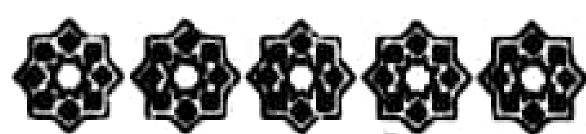
تیرے بدخواہ کی جس نہج [۴] پہ بھی عمر کٹے ۔۔۔ نہیں ہٹتا وہ اگر اپنی ڈگر سے ، نہ ہٹے
دشمنی پر تری ہر چند مخالف ہوں ڈٹے ۔۔۔ تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

خوانِ توحید پہ ہے خلقِ خدا ضیف [۵] تری ۔۔۔ قدر کی غیر پرستوں نے نہ، صد حیف تری
بات چلتی ہے بہر حال و بہر کیف تری ۔۔۔ حکم نافذ ہے ترا، خامہ [۶] ترا، سیف [۷] تری
دم میں جو چاہے کرے ، دور ہے شاہا تیرا

آج گھیرے ہوئے اعمال کی شامت ہے مگر ۔۔۔ سامنے آگ بھی خطرے کی علامت ہے مگر
خوفِ پرسش بھی بدستور سلامت ہے مگر ۔۔۔ دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیامت ہے مگر
مطمئن ہوں کہ مرے سر پہ ہے پلّہ تیرا

گرچہ آمادہ بہ برباد شدن خرمنِ تست ۔۔۔ دلِ بدخواہ کہ آسودہ زِ آزردنِ تست
تنگ ہر چند دلے چند نصیر از فنِ تست ۔۔۔ اے رضا چیست غم ار جملہ جہاں دشمنِ تست
کردہ ام مأمنِ خود قبلۂ حاجاتے را

۱۔۔۔۔۔صوفیہ کے نزدیک ایک مقام، جس میں ہوش و حواس قائم رہتے ہیں،
۲۔۔۔۔۔قرآنی آیت "ہم نے تیرا ذکر تیرے لیے بلند کر دیا"، ۳۔۔۔۔۔کب تک، ۴۔۔۔۔۔طور طریقہ،
۵۔۔۔۔۔مہمان، ۶۔۔۔۔۔قلم، ۷۔۔۔۔۔تلوار



زکوٰۃ --- مفہوم و تعارف

پروفیسر خلیل احمد نوری

لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہے:

1. بڑھنا، نشوونما پانا۔ کسی چیز میں ترقی ہونا اور برکت پیدا ہونا۔
2. پاکیزگی، عمدگی اور کمال حاصل کرنا۔[۱]

اصطلاح میں زکوٰۃ کا معنیٰ ہے:

اپنے مال میں سے شریعت کی مقرر کردہ مقدار کا اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب وثواب کے لیے کسی مستحق کو مالک بنا دینا۔[۲]

فقہا کے ہاں لفظ زکوٰۃ کا اطلاق مال کی اس مقدار پر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقراء و مساکین کو ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، جب کہ یہ لفظ اس مال کو سپرد کر دینے کے عمل پر بھی بولا جاتا ہے[۳] گویا پہلی صورت میں زکوٰۃ سے مراد وہ مخصوص مال ہے اور دوسری صورت میں مال دینے کے عمل کا نام زکوٰۃ ہے۔

لغوی و اصطلاحی معنوں کی باہمی مناسبت یہ ہے کہ عمل زکوٰۃ سے مال میں بڑھوتی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اضافہ اور پاکیزگی دو طرح سے ہے:

① دنیوی اعتبار سے

② اخروی طور پر

دنیوی اضافہ اور ترقی اس طرح کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے، لہٰذا حق تعالیٰ کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے والے کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس کی زندگی مسائل ومشکلات سے محفوظ رہتی ہے اور مال کی کم مقدار ضروریات زندگی کے لیے کافی ثابت ہوتی ہیں، جس کے نتیجے میں مال ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ نیز ذرائع معاش میں ترقی اور برکت پیدا ہوتی ہے، اس لیے بظاہر مال میں کمی کے باوجود حقیقتاً اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾---[۴]

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے''---

زکوٰۃ، مال میں ترقی وزیادتی کے ساتھ ساتھ اجر وثواب اور اخروی درجات میں اضافے کا ذریعہ بھی ہے۔ مالی انفاق کو سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک بڑھا کر نیکیوں کی صورت میں ترقی دی جاتی ہے[۵]، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب بندہ پاکیزہ مال میں سے خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے اور اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کی پرورش کرتا ہے جیسا کہ تم اپنے بچھیرے کو پالتے ہو اور بے شک آدمی ایک لقمہ خیرات کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دست اقدس میں نشوونما پاتا ہے، حتیٰ کہ پہاڑ کی طرح بن جاتا ہے، لہٰذا صدقہ کیا کرو---[۶]

یہ اخروی ترقی اور اضافہ ہوا۔

زکوٰۃ کے ذریعے پاکیزگی حاصل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ فقراء ومساکین کا حق اپنے مال میں شامل رکھنا، غیر کے مال پر قبضہ کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ﴾---[۷]

''اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والوں اور محروم رہ جانے والوں کا حق ہے''---

جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ غیر کے حق سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے کہ اس طرح باقی مال پاک ہو جائے''---[۸]

مال کی پاکیزگی کے ساتھ نفس انسانی کو بھی پاکیزگی مل جاتی ہے۔ گناہ کی نجاستوں سے دل صاف ہو جاتا ہے، مال و دولت کی محبت، حرص و لالچ اور کنجوسی و بخل جیسی آلودگیوں سے باطن پاک ہوتا ہے، سیرت و کردار میں اُجلا پن آتا ہے اور فرد کی اصلاح و پاکیزگی سے معاشرے کی ترقی و اصلاح ہوتی ہے۔

ازہری کا کہنا ہے:

انما تنمی الفقراء---

''زکوٰۃ فقراء کے لیے بھی افزائش و ترقی کا ذریعہ ہے''---[۹]

مالِ زکوٰۃ سے محتاجوں اور ناداروں کو معاشی افزائش و ترقی حاصل ہوتی ہے اور مالی آسودگی کے سبب انہیں سماجی، ذہنی اور نفسیاتی نشو و نما ملتی ہے۔

زکوٰۃ کے مفہوم و معانی اور زکوٰۃ کی حقیقت کے متعلق علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں:

لفظ زکوٰۃ کا حقیقی معنی افزائش اور پاکیزگی ہے۔ شریعت میں اس کا اطلاق مال کا مخصوص حصہ نکال دینے پر ہوتا ہے۔ اوّل معنی (افزائش و اضافہ) میں اس کے اطلاق کا مطلب ہے کہ زکوٰۃ مال کی برکت میں اضافہ کرتی ہے اور انسان کو عزت و تکریم سے ہم کنار کرتی ہے۔ یا یہ کہ اس سے مال کو نشو و نما ملتی ہے۔ دوسرے معنی میں جب یہ لفظ بولا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ مال کو میل کچیل سے اور نفس انسانی کو بخل و کنجوسی سے پاک کر دیتی ہے۔[۱۰]

علامہ قرطبی زکوٰۃ کی حقیقت اور اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ کا حقیقی معنی عمدہ وصف ہے۔ اسی سے ہے:

زکی القاضی الشھود ''یعنی قاضی نے گواہوں کو پارسا اور نیکوکار قرار دیا''۔ پس جو شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اسے پاکیزگی و پارسائی حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ زکوٰۃ تطہیر سے لیا گیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے:

زکی فلان یعنی فلاں شخص عیوب و نقائص کے میل کچیل سے پاک ہو گیا۔ لہٰذا اپنے مال سے زکوٰۃ نکالنے والا شخص اس حق کو ادا کر کے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مال میں مساکین کے لیے مقرر فرمایا ہے، پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کے مال کو لوگوں کا میل قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَ تُزَکِّیْھِمْ بِھَا﴾---[۱۱]

امام فخر الدین رازی نے زکوٰۃ کے دونوں معانی (افزائش و پاکیزگی) کی تشریح اس طرح کی ہے:

(مثلاً) بیس دیناروں میں سے نصف دینار نکال دینے کا نام زکوٰۃ، ان دو وجوہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔ کیوں کہ اتنی مقدار نکالنے سے باقی مال میں برکت کے اعتبار سے بڑھوتی ہوتی ہے۔ اس عطیہ کے باعث تزکیہ ہو جانے سے اللہ تعالیٰ اس مال سے مصیبتوں اور آفات کو دور فرما دیتا ہے۔ پس مال کا عطیہ دینا معنوی طور پر افزائش و ترقی کا باعث بن گیا، اگرچہ ظاہری طور پر مال میں کمی واقع ہوئی۔ اسی لیے حضور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''صدقہ کو لازم پکڑو، کیوں کہ اس کے چھے فائدے ہیں، تین دنیا میں اور تین آخرت میں حاصل ہوں گے۔ دنیاوی فائدے یہ ہیں:

① زکوٰۃ رزق میں اضافہ کرتی ہے۔

② مال و دولت میں کثرت کرتی ہے۔

③ آبادیوں میں خوش حالی و ترقی لاتی ہے۔

آخرت کے تین فائدے یہ ہیں:

❶ پردہ پوشی کرے گی۔

❷ سر پر سایہ کناں ہو گی۔

❸ دوزخ کی آگ سے رکاوٹ بن جائے گی۔

دوسرے معنی کے اعتبار سے اس عمل کو اس لیے زکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ چیز زکوٰۃ ادا کرنے والے کو تمام گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے ارشاد فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ....﴾---

''ان کے مالوں سے صدقہ وصول کریں تاکہ اس کے ذریعے آپ انہیں پاکیزہ اور صاف ستھرا کر دیں'' ---[۱۲]

صدقہ کا مفہوم

لفظ صدقہ، زکوٰۃ کا ہم معنی ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کی اصل صدق ہے، جس کا مطلب سچائی ہے جو کہ جھوٹ کی ضد ہے[۱۳] اصطلاح میں صدقہ سے مراد وہ عطیہ ہے جسے دیتے وقت اجر و ثواب کی نیت کی جائے۔ امام راغب اصفہانی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''صدقہ وہ عطیہ ہے جسے انسان اپنے مال سے اللہ تعالیٰ کے قرب وثواب کی نیت کے ساتھ بطور زکوٰۃ نکالتا ہے۔ بنیادی طور پر صدقہ نفلی انفاق پر بولا جاتا ہے اور زکوٰۃ واجبی انفاق پر، مگر کبھی واجبی انفاق کو بھی صدقہ کہہ لیا جاتا ہے، کیوں کہ اس کا ادا کرنے والا اپنے فعل کی صداقت پر یقین رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی ان آیات میں صدقہ زکوٰۃ کے معنی میں مستعمل ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾---اور

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ﴾---[التوبہ:٦٠]

کبھی صدقہ اس بات پر بولا جاتا ہے کہ انسان عفوو درگزر سے کام لیتے ہوئے اپنے حق سے علیحدہ ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾---[المائدہ:۴۵]

''پس جس نے معاف کر دیا تو یہ اس کے لیے گناہوں کے ازالے کا باعث ہوگا''---[۱۴]

ابن عربی صدق اور صدقہ کے باہمی تعلق کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صدقہ سے صدق کی مشابہت یہ ہے کہ جو شخص اپنے دین کی اس حقیقت پر یقین رکھتا ہو کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا برحق ہے اور مقام آخرت ہی اصلی ٹھکانہ ہے اور یہ کہ دنیاوی زندگی آخرت کے لیے پل کا درجہ رکھتی ہے اور برے یا اچھے انجام تک پہنچنے کے لیے اس کی حیثیت ایک دروازے کی طرح ہے، ایسا شخص اس کے لیے عمل کرے گا اور جو مال و دولت میسر ہوا سے راہ حق میں خرچ کرے گا۔ جس کسی کو اس امر میں شک ہو یا اس کی تیاری میں سستی و کوتاہی کرتا ہو اور آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہو، وہ اپنے مال میں بخل کرے گا، اپنی آرزوؤں کی تکمیل میں کوشاں اور اپنے انجام سے غافل رہے گا''---[۱۵]

اصل میں صدقہ بہت وسیع المعنی لفظ ہے اور ہر قسم کے کار خیر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ خواہ یہ کار خیر کسی سے مدد اور تعاون کی صورت میں ہو، خواہ یہ جسمانی نیکی ہو یا مالی، خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے۔ صدقہ کے معنی کی عمومیت اور اس کے مختلف اطلاقات کا اندازہ ان

احادیث سے کیا جا سکتا ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد اعمال صالحہ کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔
صحیح مسلم کے ایک باب کا یہ عنوان بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے:

بَابُ بَیَانِ اَنَّ الصَّدَقَةَ یَقَعُ عَلٰی كُلِّ نَوْعٍ مِّنَ الْمَعْرُوْفِ---

''اس بات کا بیان کہ نیکی کی ہر قسم پر صدقہ کا اطلاق ہوتا ہے''---

چند احادیث ملاحظہ ہوں جن سے صدقہ کے معانی کی وسعت واضح ہو گی اور صدقہ کی حقیقت سمجھنے میں مدد ملے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے؛ پس دو آدمیوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دینا صدقہ ہے، کسی شخص کو اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد دینا یا اس کا سامان سواری پر رکھوا دینا صدقہ ہے، اچھی بات کہہ دینا صدقہ ہے، نماز کے لیے اٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے اور تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے''---[۱۶]

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص کے ہر جوڑ پر صبح کے وقت ایک صدقہ ضروری ہے۔ ہر تسبیح (سبحان اللہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تحمید (الحمد للہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر کہنا) صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ وہ دو رکعتیں جو انسان چاشت کے وقت پڑھے ان سب کاموں کے لیے کافی ہو جاتی ہیں''---[۱۷]

مسند احمد بن حنبل میں اسی روایت میں مزید ہے کہ:

''(یہ بھی صدقہ ہے) کہ تم لوگوں کے راستے سے کانٹے، ہڈی اور پتھر کو ہٹا دو، اندھے کو راستے کی نشان دہی میں مدد دو، بہرے گونگے کی راہنمائی کرو، حتیٰ کہ وہ بات سمجھ لے، کسی راہنمائی کے طلب گار کو اس کی ضرورت کی جگہ بتا دو، کہ جس کا تمہیں علم ہو، شدید ضرورت مند فریاد کناں آدمی کے لیے تم دوڑ دھوپ کرو اور کمزور انسان کے لیے اپنے بازو حرکت میں لاؤ۔ یہ سب کام تمہاری طرف سے تم پر صدقے کے طریقے ہیں۔ (حتیٰ کہ) اپنی بیوی سے ہم بستر ہونے میں بھی تمہارے لیے اجر ہے''---[۱۸]

حضرت ابو ذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

((تَکُفُّ شَرَّکَ عَنِ النَّاسِ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلٰی نَفْسِكَ))---

''تم لوگوں کو اپنے شر سے بچائے رکھو، یہ بھی تمہاری طرف سے تمہارے نفس پر صدقہ بن جائے گا''---[۱۹]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نیکی کا ہر کام صدقہ ہے اور نیکی یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے کشادہ روئی کے ساتھ ملو اور اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو''---[۲۰]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے جو شخص دوزخ کی آگ سے بچنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ صدقہ کیا کرے، خواہ کھجور کی ایک پھانک ہی میسر ہو، جسے یہ بھی نہ ملے تو اچھی بات کہہ کر ہی صدقہ کرے''---[۲۱]

ان روایات میں بیان کی گئی صدقہ کی ان مختلف صورتوں سے معلوم ہوا کہ نیکی کی ہر شکل اور خیر و بھلائی کی ہر کوشش کا نام صدقہ ہے۔ ضرورت مندوں کے ساتھ مالی تعاون و مدد بھی نیکی کی صورتوں میں سے ایک ہے، بلکہ اعلیٰ ترین اور نفس انسانی پر بھاری اور مشکل نیکی ہے، جس کے ذریعے انسان کی عبدیت کی سچائی کا اظہار ہوتا ہے، لہٰذا ہر مالی تعاون و مدد اور انفاق کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سميت الصدقة لدلالتها على صدق العبودية انا اداها لانها على النفس اشق---[۲۲]

''مالی انفاق کو صدقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ بندہ جب اسے ادا کرتا ہے تو یہ امر اس کی بندگی کی صداقت پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ مالی انفاق نفس انسانی پر گراں اور مشکل گزرتا ہے''---

اہل علم کے ہاں مالی صدقات اور غیر مالی صدقات کی ترکیب مروّج و مستعمل ہے، جس سے اس امر کی مزید تائید ہوتی ہے کہ صدقہ کا تصور صرف مالی انفاق تک محدود نہیں، البتہ اس مفہوم میں کثرت استعمال کے باعث عرف میں مالی انفاق کو ہی صدقہ کہا جاتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں واجبی اور نفلی دونوں قسم کے انفاق پر صدقہ کا لفظ بولا جاتا تھا[۲۳] جیسا کہ قرآن مجید کی آیات سے واضح ہے۔ بعد میں صدقہ غیر فرضی انفاق کے لیے مختص ہو گیا۔

صدقات کی تین اقسام ہیں:

❶ فرضی صدقہ، یعنی زکوٰۃ

❷ واجبی صدقات: مثلاً گناہوں کے کفارے، جیسے احرام کی حالت میں شکار کرنے کا کفارہ، یعنی اس شکار کی مثل جانور یا اس کے عوض میں نقدی وغیرہ صدقہ کرنا یا اس کے برابر مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ اسی طرح فرضی روزہ توڑنے پر کفارہ واجب ہے جو کہ متواتر ساٹھ روزے رکھنا، غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ واجبی صدقات میں سے قسم توڑنے کا کفارہ بھی ہے جو کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں لباس مہیا کرنا یا غلام آزاد کرنا ہے۔

بوڑھے مرد و عورت یا اس جیسے دیگر معذور افراد جو روزہ نہ رکھ سکتے ہوں، ان پر واجب ہے کہ فدیہ کے طور پر ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ ہر صاحب نصاب پر واجب ہے کہ عید الفطر کے موقع پر صدقہ فطر ادا کرے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرے۔ مالی یا غیر مالی نذر کا پورا کرنا بھی واجب ہے۔

❸ نفلی صدقات: یعنی کوئی شخص جب چاہے، جتنا چاہے، جس صورت میں چاہے اور جس پر چاہے انفاق کرے۔ ان صدقات کی نہ حد ہے، نہ مقدار معین ہے، نہ وقت مقرر ہے اور نہ افراد کی تعیین۔

صدقہ کا عمومی تصور

صدقہ کے معانی اور بیان کی گئی دیگر تفصیل سے معلوم ہوا کہ عوام میں صدقہ کا جو عمومی تصور پایا جاتا ہے، وہ اس کے علمی اور شرعی تصور سے پورے طور پر ہم آہنگ نہیں ہے۔ عوام اہل عرب صرف سائلوں پر انفاق کرنے اور مالی احسان کے طور پر دیے گئے عطیات کو صدقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پاکستان میں اور شاید پورے برصغیر میں صدقہ کا عرفی معنی مصائب و مشکلات اور آفات و بلیات سے نجات و ازالے کے لیے انفاق کرنا ہے۔ یہ انفاق عام طور پر کسی زندہ جانور مثلاً بکرا، مرغی وغیرہ یا اس کے گوشت کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہ محدود تصورات ہیں۔ بعض لوگ ایسے جانور کو صدقہ کرنے سے پہلے رات بھر مریض کے پاس باندھتے ہیں اور کئی مقام پر مریض کی چارپائی کے گرد اس جانور کے چکر لگوائے جاتے ہیں اور مریض اس پر اپنا ہاتھ پھیرتا ہے۔ شاید اس خیال سے کہ اس طرح بیماری جانور میں منتقل ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں مریض صحت یاب ہو جائے گا۔ یہ غیر ضروری افعال ہیں۔ یہ تصور بھی راسخ ہے کہ ایسا صدقہ صرف فقراء کا حق ہے اور دیگر کے لیے

اس کا استعمال شرعاً درست نہیں۔ کبھی ایسے صدقات فقراء کے سپرد کیے جاتے ہیں اور کبھی چیلوں اور کووں وغیرہ گوشت خور جانوروں اور پرندوں کے سامنے ڈال دیے جاتے ہیں۔ یوں ہی پرندوں اور حشرات الارض کی خوراک کے طور پر دال اور چاول وغیرہ اجناس کا صدقہ کیا جاتا ہے حالاں کہ غیر پالتو جانوروں کو خوراک مہیا کرنے سے زیادہ اہم کام انسانوں کی فلاح و بہبود کا اہتمام کرنا ہے۔ چوں کہ صدقہ کی یہ صورتیں بلاؤں اور مصیبتوں سے ازالے ونجات کے لیے اختیار کی جاتی ہیں اور مصیبت وابتلا کو سیاہ رنگ کے ساتھ مناسبت دے کر صدقہ کے لیے سیاہ جانور اور سیاہ رنگ کی اجناس کا انتخاب زیادہ موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ ایسی پابندی کی کوئی اصل نہیں۔ مصیبت اور بیماری کے ساتھ اس صدقہ کی نسبت قائم ہو جانے اور اس کا عوض و بدل متصور ہونے کے سبب بہت سے لوگ ایسے صدقہ خیرات کو حاصل کرنے اور اس کے استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں کہ کہیں وہ بیماری اس میں منتقل نہ ہو جائے۔ یہ محض باطل وہم ہے۔

راھنمائے زکوۃ

زکوٰۃ رکن اسلام اور عظیم عبادت ہی نہیں، اسلام کے مالی و معاشی نظام کا مرکزی نکتہ اور مسلمانوں کے کمزور اور نادار افراد کی کفالت کا بڑا ذریعہ بھی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اس کی فرضیت واہمیت کا صریح حکم متعدد آیات میں موجود ہے۔ ان آیات کی تشریح وتفسیر کا مقام تفسیری ادب ہے۔ خصوصاً احکام قرآن کے بیان سے متعلق کتب تفاسیر۔ احادیث کے مجموعوں میں اس موضوع پر رسول اللہ ﷺ کی قولی وعملی ہدایات وارشادات کا وسیع ذخیرہ دستیاب ہے۔ فقہاء کرام نے قرآن وسنت کے بیان کردہ احکام زکوٰۃ کو عملی شکل میں پیش کر کے اور جزئیات پر تفصیلی مواد فراہم کر کے اس موضوع کے ہر پہلو کو سورج کی روشنی کی طرح اجاگر کر دیا ہے۔ اردو زبان میں بھی اس موضوع پر لٹریچر موجود ہے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر موضوع کو نئے اسلوب اور نئے انداز میں پیش کرنے کی ضرورت واہمیت ایک مسلم امر ہے۔ خصوصاً اس دور میں جب کہ نئے ذرائع معاش پیدا ہو چکے ہیں اور مالی مسائل کی کثرت نے کئی پیچیدگیوں کو جنم دیا ہے، زکوٰۃ کے حوالے سے بھی نت نئے سوالات سر اٹھا رہے ہیں، لہٰذا دور جدید کا تقاضا ہے کہ ان سوالات کے جوابات اور ملت اسلامیہ کی تشفی وراہنمائی کے لیے آسان اور جامع مواد فراہم کیا جائے۔ چناں چہ راہنمائے زکوٰۃ اسی ضرورت کی تکمیل کی جانب پیش رفت کا عنوان ہے، جسے احقر اپنی علمی استعداد وبساط کے مطابق ماہ بماہ بالاقساط ''نور الحبیب'' کے ان صفحات میں پیش کرنے کی

سعادت حاصل کرے گا۔ (ان شاء اللہ)

اس سلسلہ میں مدیر نور الحبیب جانشین فقیہ اعظم حضرت صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری دامت فیوضاتہم العالیہ کی سرپرستی، راہنمائی اور دعا شامل حال رہے گی۔ کوشش کی جائے گی کہ زکوٰۃ وصدقات کے فضائل و مسائل اس انداز میں سامنے لائے جائیں کہ اسلام کے عظیم معاشی نظام کا یہ حصہ اپنی ان خوبیوں اور محاسن کے ساتھ ابھر کر سامنے آجائے جن کے ذریعے آج کی عالمی کساد بازاری اور معاشی بدحالی کو خوش حالی میں بدلنے میں مدد مل سکتی ہے۔

و ما توفیقی اِلّا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

حوالہ جات

۱......ابراہیم انیس، ڈاکٹر ودیگر، المعجم الوسیط، جلد ۱، صفحہ ۳۹۶ تا ۳۹۷، دارالفکر، بیروت (س ن) / منظور افریقی، ابوالفضل، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، صفحہ ۳۵۹، دار صادر بیروت (س ن)

۲......عینی، بدرالدین، ابومحمد محمود بن احمد، البنایہ فی شرح الهدایہ، جلد ۱، جز ثانی، صفحہ ۱۱۵۰، ملک سنز، کارخانہ بازار، فیصل آباد (س ن)

۳......الزحیلی، وہبہ، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، جلد ۲، صفحہ ۷۳۱، دارالفکر، دمشق، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

۴......البقرہ: ۲۷۶ ۵......البقرہ: ۲۶۱

۶...... احمد، بن محمد بن حنبل، مسند، جلد ۵، صفحہ ۱۶۸-۱۶۹، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۷......الذاریات: ۱۹

۸......ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی سنن ابو داؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی حقوق المال، رقم حدیث: ۱۶۶۴، دارالفکر، بیروت (س ن)

۹......یوسف القرضاوی، فقہ الزکوۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۸، موسس الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء / الجاراللہ، عبداللہ، مصارف الزکوۃ، صفحہ ۱۵، موسس الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

۱۰......آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین محمود، روح المعانی، جلد ۱، صفحہ ۲۴۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت (س ن)

۱۱......قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، احکام القرآن، جلد۱، صفحہ۳۴۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت (س ن)

۱۲......رازی، فخرالدین محمد، مفاتیح الغیب، جلد۳، صفحہ۴۴-۴۵، دار الکتب العلمیہ، طہران (س ن)

۱۳......لاروس، المنجد، صفحہ۴۲۰، دار المشرق، بیروت (س ن)

۱۴......راغب اصفہانی، حسین بن محمد بن مفضل، المفردات، صفحہ۲۷۸، نور محمد، اصح المطابع (س ن)

۱۵......ابن عربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، جلد۲، صفحہ۸۵۹، ۹۵۹، دار المعرفہ، بیروت (س ن)

۱۶......بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الصلح، باب فضل الاصلاح بین الناس، دار المعرفہ، بیروت (س ن)/ مسلم، ابوالحسین بن الحجاج القشیری، کتاب الزکوٰۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف

۱۷......مسلم، حوالہ سابق

۱۸...... احمد، بن محمد بن حنبل، مسند، جلد۵، صفحہ۱۶۸-۱۶۹، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۱۹......بخاری، الجامع الصحیح، باب ای الرقاب افضل/ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ افضل الاعمال

۲۰......احمد، بن حنبل، مسند، جلد۳، صفحہ۳۴۴

۲۱......حوالہ سابق، جلد۴، صفحہ۲۵۶

۲۲......عینی، بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد، ملک سنز کارخانہ بازار، فیصل آباد (س ن)

۲۳......محمد علی السایس و دیگر، تفسیر آیات الاحکام، جلد۲، جز۳، صفحہ۵۴، دار ابن کثیر، دمشق، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۱۴ء



رہنمائے زکوٰۃ

چوبیسویں قسط

زکوٰۃ کے مصارف

پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری

مصارف، مصرف کی جمع ہے، اس کا معنیٰ مال خرچ کرنے کی جگہ ہے۔ مصارف سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں شریعت نے زکوٰۃ لینے کا مستحق قرار دیا ہے۔ زکوٰۃ کے مستحق کون لوگ ہیں؟ یہ بہت اہم سوال ہے، کیوں کہ دنیا کے تمام مالیاتی نظاموں کی سب سے بڑی مشکل یہ رہی ہے کہ عوامی فلاح و بہبود کے لیے جمع کیے گئے مال ان کے اصل مستحقین تک پہنچانے کی کوئی کوشش پورے طور پر کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس کی بڑی وجہ مستحقین کی تعیین میں ابہام ہونا ہے۔ غیر واضح اور مبہم قوانین سے فائدہ اٹھا کر حکمران، اجتماعی اموال کو اپنی مرضی و مفادات کے مطابق خرچ کرتے ہیں اور غیر مستحق افراد خود کو قانوناً مستحق لوگوں کی فہرست میں شامل کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اصل مستحقین کے حقوق غصب ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں واضح اور دو ٹوک انداز میں مستحقین زکوٰۃ کی فہرست دے دی گئی ہے، حالاں کہ زکوٰۃ کے دیگر مسائل و احکام کا ذکر قرآن کریم میں اختصار و اجمال کے ساتھ آیا ہے اور تفصیل

سنت رسول اکرم ﷺ میں بیان ہوئی ہے، لیکن مصارف زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے کسی کی مرضی پر موقوف نہیں رکھا، حتیٰ کہ اس معاملے کو اپنے نبی (ﷺ) کے حوالے بھی نہیں کیا، حالاں کہ حضور نبی اکرم ﷺ مستحقین زکوٰۃ بیان فرماتے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشا اور وحی کے مطابق ہوتا، لیکن اس صورت میں ایک تو اعتراض کرنے والے رسول اللہ ﷺ پر طعن کر کے اپنے لیے جہنم میں ٹھکانہ بناتے اور دوسرا یہ کہ قرآن مجید کی نسبت، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی من مانی تاویلات کر کے اپنے آپ کو مستحق قرار دلوانا آسان ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی نے رسول اللہ ﷺ سے صدقات میں سے مال کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے اسے قرآن مجید کے بیان کردہ ان ہی مصارف کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرت زیاد بن الحارث الصدائی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کی تھی۔ پھر انہوں نے ایک طویل واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ صدقے کے مال میں سے کچھ مجھے بھی دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> اللہ تعالیٰ نے صدقات کے معاملات کو نبی یا غیر نبی کی مرضی پر نہیں چھوڑا، بلکہ خود اس کا حکم بیان فرماتے ہوئے آٹھ قسم کے لوگوں پر انہیں تقسیم کیا ہے۔ اگر تم ان آٹھ میں سے ہو تو میں تجھے تیرا حق دوں گا (ورنہ نہیں)---

[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنیٰ]

قرآن کریم میں مستحقین زکوٰۃ کا ذکر ہی اس پس منظر میں ہوا ہے کہ بعض خواہشات کے بندوں اور لالچی لوگوں نے غیر مستحق ہونے کے باوجود حضور ﷺ سے صدقات میں سے حصہ لینے کی خواہش کی تھی۔ حضور ﷺ نے ان کی خواہشات کی تکمیل نہ فرمائی تو انہوں نے آپ ﷺ کی تقسیم پر اعتراضات اٹھانے شروع کر دیے، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن میں چھپے ہوئے لالچ کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

> وَ مِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَ إِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ○ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ رَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رَاغِبُونَ○---[التوبہ:۵۸،۵۹]

"اور ان (منافقین) میں سے ایسے بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر

طعنہ زنی کرتے ہیں، پس اگر ان میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں اس میں سے کچھ نہ دیا جائے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ بہت جلد ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول مزید عطا فرمائے گا۔ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں''---

مال کی تقسیم میں رسول اللہ ﷺ پر طعنہ زنی کرنے والوں کے متعلق درج بالا قرآنی بیان کی وضاحت میں یہ احادیث دیکھیے:

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جعرانہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے آپ سے کہا کہ انصاف سے کام لیجیے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

اگر میں انصاف سے کام نہ لوں تو خیر و سعادت مندی سے محروم ہو جاؤں گا''---

[بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب و من الدلیل علی ان الخمس لنوائب المسلمین......]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر مال کی تقسیم میں بعض حضرات کو دوسروں پر ترجیح دی اور اقرع بن حابس کو سو اونٹ عطا فرمائے، عیینہ کو بھی اتنے ہی عطا فرمائے۔ اسی طرح بعض عرب سرداروں کو بھی تقسیم مال میں ترجیح دی۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم! اس تقسیم میں انصاف نہیں برتا گیا اور اللہ کی رضا پیش نظر نہیں رکھی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا، میں یہ بات رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کرتا ہوں۔ چناں چہ میں نے حاضر خدمت ہو کر یہ بات عرض کر دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر اللہ اور اس کا رسول ہی ناانصافی کرنے لگیں تو اور کون انصاف کرے گا؟

اللہ تعالیٰ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم فرمائے، انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا''---

[حوالہ مذکورہ، باب ما کان النبی ﷺ یعطی المؤلفة قلوبهم وغیرهم من الخمس ونحوه]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ عبداللہ بن ذوالخویصرہ تمیمی آ گیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ، انصاف کیجیے! فرمایا:

تم پر افسوس! اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، فرمایا کہ اسے جانے دو، اس کے کتنے ساتھی ہیں کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی نمازان کی نمازوں کے سامنے اور اپنے روزے ان کے روزوں کے سامنے حقیر محسوس کرے گا، مگر یہ دین سے اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے جس طرح تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔[بخاری، کتاب استتابة المرتدین، باب من ترك قتال الخوارج للتالف و ان لاینفر الناس عنه]

منافقین اور لالچی لوگوں کے ان اعتراضات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر آٹھ قسم کے مستحقین بیان فرما دیے کہ زکوٰۃ کے مستحقین بس یہی لوگ ہیں اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کو زکوٰۃ کے مال سے حصہ لینا جائز نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسَاكِينِ وَ الْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَ الْغَارِمِينَ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ---[التوبہ:٦٠]

"صدقات تو صرف فقراء اور مساکین، ان کی وصولی کے لیے مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مطلوب ہے۔ نیز، انسانی گردنوں کو غلامی سے آزادی دلانے، مقروضوں کو نجات دلانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں پر صدقات کا خرچ کیا جانا ضروری ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے (حصے) ہیں اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے" ---

یہ وہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں جنہیں قرآن مجید نے زکوٰۃ کے مستحقین ٹھہرایا ہے۔ ذیل میں ان اقسام کی الگ الگ وضاحت کی جا رہی ہے۔

①، ② فقراء اور مساکین

مستحقین زکوٰۃ کی آٹھ اقسام میں سر فہرست فقراء اور مساکین کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا اوّلین اور حقیقی مقصد معاشرے سے غربت و ناداری کا خاتمہ اور لاچار ضرورت مندوں کی کفالت و اعانت ہے۔ زندگی کی جائز ضرورتوں کی فراہمی ہر انسان کا بنیادی حق ہے، لہٰذا کسی بھی مالیاتی تنظیم کی سب سے اہم ترجیح یہی ہونی چاہیے کہ معاشرے کے جو افراد اپنی جائز ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر ہوں ان کی دست گیری کر کے انہیں ان کا یہ بنیادی حق فراہم کرے۔ اسلام نے اسی اہمیت کے پیش نظر فقراء و مساکین کو زکوٰۃ کا اوّلین مستحق قرار دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن میں گورنر کی حیثیت سے بھیجا تو انہیں دیگر ہدایات کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

فَـاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَـيْهِمْ صَدَقَـةً فِي اَمْوَالِـهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ ---[بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ]

"انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے دولت مندوں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دے دی جائے گی"---

فقیر زیادہ حاجت مند ہے یا مسکین؟

عام بول چال میں فقیر اور مسکین کے الفاظ ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں، جب کہ قرآن کریم میں ان دونوں کو الگ الگ ایک قسم کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے معنیٰ و مفہوم میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے اور فقیر اور مسکین علیحدہ علیحدہ جنس (category) میں سے ہیں۔ یہ بات تو طے ہے کہ فقیر اور مسکین دونوں حاجت مند اور اپنی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر لوگ ہیں، کیوں کہ ان دونوں الفاظ میں شدید محتاجی کا مفہوم پایا جاتا ہے، لیکن ان میں سے زیادہ حاجت مند اور بدحال کون ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

فقیر وہ ہے جس کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ موجود ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ مسکین کو مسکین اس لیے کہا جاتا ہے کہ حاجت مندی نے اسے چلنے پھرنے سے قاصر بنا دیا ہے اور وہ اپنے ٹھکانے سے ہلنے جلنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ [البلد:۱۶] "یا وہ مسکین جو مٹی سے لپٹا ہوا ہے" یعنی اس نے اپنا جسم چھپانے کے لیے خود کو مٹی سے چمٹا رکھا ہے اور ستر ڈھانپنے کے لیے اس کے پاس کپڑا تک موجود نہیں ہے یا یہ کہ سخت بھوک کی وجہ سے اس نے اپنے پیٹ کو زمین سے چمٹا رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسکین فقیر سے بھی زیادہ ضرورت مند کا نام ہے۔ [بدائع الصنائع، جلد۲، صفحہ۴۳]

ایک حدیث پاک میں مسکین کی تعریف اس طرح بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِي تَرُدُّهُ الْاُكْلَةُ وَالْاُكْلَتَانِ وَلٰكِنِ الْمِسْكِيْنُ الَّذِي لَيْسَ لَهٗ غِنًى وَيَسْتَحْيِي وَلَا يَسْئَلُ النَّاسَ اِلْحَافًا---

[بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب قول اللّٰه تعالٰی لا یسئلون الناس الحافاً]

"مسکین وہ نہیں جو ایک لقمے یا دو لقموں کے لیے مارا مارا پھرتا ہے، بلکہ مسکین وہ ہے

جو مال دار نہیں لیکن شرماتا ہے اور لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتا"---

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَ اللُّقْمَتَانِ وَ التَّمْرَةُ وَ التَّمْرَتَانِ وَ لٰكِنِ الْمِسْكِينُ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ وَ لَا يُفْطَنُ بِهِ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ---[بخاری، حوالہ مذکور]

"مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس چکر کاٹتا پھرے کہ اسے ایک یا دو لقمے یا ایک دو کھجوریں مل جائیں، بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اسے لوگوں سے بے نیاز کر دے، نہ ہی وہ ایسی شکل وصورت بنائے کہ لوگ مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود ہی وہ لوگوں سے سوال کرے"---

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ عام طور پر مسکین اسے سمجھا جاتا ہے جو مانگ کر اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہو لیکن حقیقت میں مسکین تو وہ شخص ہے جو حاجت مند بھی ہے مگر حیا کی وجہ سے سوال نہیں کرتا، اس طرح اس کی حاجت مندی لوگوں سے پوشیدہ رہنے سے کوئی اس کی مدد نہیں کرتا۔ گویا مسکین کی حالت مانگنے والے فقیر سے زیادہ بری ہوتی ہے اور وہ فقیر سے زیادہ حاجت مند ہوتا ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ:

① فقراء میں وہ سب مسلمان شامل ہیں جو اپنے جسمانی نقص یعنی کسی معذوری کی وجہ سے یا کم ذرائع آمدنی کے باعث اپنی تمام کوششوں کے باوجود زندگی کی تمام جائز بنیادی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر ہوں۔

② مساکین وہ مسلمان ہیں جو کسی جسمانی معذوری کی وجہ سے یا ذرائع آمدنی بالکل نہ ہونے یا بہت کم ہونے کی وجہ سے اپنی جائز بنیادی ضرورتوں میں سے کوئی بھی ضرورت پوری نہ کر سکتے ہوں۔

یاد رہے کہ فقیر اور مسکین کے متعلق یہ لغوی اور فقہی بحث ہے، اس لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ فقیر زیادہ بد حال ہوتا ہے یا مسکین۔ درحقیقت فقر و مفلسی کے باعث دونوں ہی مستحقین زکوٰۃ میں سرفہرست شمار کیے گئے ہیں اور ان کے فقر و فاقہ کو دور کرنا زکوٰۃ کا اوّلین مقصد ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ

یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمَاھُمْ لَا یَسْاَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ---[البقرۃ:۲۷۳]

”(صدقہ وزکوٰۃ) ان محتاجوں کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگے ہونے کی وجہ سے (کمانے سے) روک لیے گئے ہیں (امور دین میں مشغولیت کے باعث) زمین میں چل پھر کر تجارت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان کے حال سے بے خبر انہیں ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے مال دار سمجھتا ہے لیکن تم انہیں ان کی ظاہری خستہ حالی سے پہچان لیتے ہو، وہ چمٹ کر باصرار لوگوں سے سوال نہیں کرتے اور تم جو بھی خیرات کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے“---

③ عاملین (ادارۂ زکوٰۃ کا عملہ)

عاملین، عامل کی جمع ہے، اس کا معنیٰ کارکن ہے۔ زکوٰۃ کے حصول اور اس کی تقسیم سے متعلق انتظامی ڈھانچے سے وابستہ تمام افراد عاملین کہلاتے ہیں، مثلاً:

1. زکوٰۃ کے واجبات وصول کر کے بیت المال میں جمع کرانے والے
2. جمع شدہ مال کے گوداموں کی حفاظت ونگرانی کرنے والے، اگر مویشی ہوں تو ان کے چارے، پانی اور دیگر امور کے ذمے دار اور مال زکوٰۃ کو ان کے مستحقین تک پہنچانے والے
3. وہ لوگ جو زرعی پیداوار سے عشر کی وصولی کے لیے ناپ تول کی خدمت انجام دے رہے ہوں
4. کلیریکل سٹاف اور اکاؤنٹس کا عملہ، جو زکوٰۃ کے حسابات اور آمدنی وخرچ کی فائلیں تیار کرنے اور ریکارڈ رکھنے کا کام انجام دے رہا ہو
5. وہ افراد جو مستحقین زکوٰۃ کے متعلق چھان بین کرنے، ان کے استحقاق کا پتہ لگانے اور ان کی تلاش کے کام میں مصروف ہوں
6. ضرورت پڑنے پر زکوٰۃ دہندگان اور مستحقین کا اجلاس کرانے والے
7. ناظمین زکوٰۃ، یعنی جو علاقائی یا مرکزی سطح پر زکوٰۃ کے دفتر اور دیگر تمام امور کی نگرانی پر متعین ہوں۔

ان تمام افراد کی تنخواہیں اور اجرتیں مال زکوٰۃ سے ادا کی جائیں گی اور نظام زکوٰۃ کے قیام اور اس کو چلانے والوں پر جو اخراجات ہوں گے وہ مال زکوٰۃ کے حساب میں شمار ہوں گے۔

عاملین کو دی جانے والی تنخواہیں انہیں بطور مستحق زکوٰۃ نہیں دی جاتیں اور نہ ہی یہ ان کے

کام کی اجرت یا معاوضہ ہے، بلکہ اس لیے کہ عامل اپنے آپ کو اس کام کے لیے فارغ کر چکا ہے۔ امورِ زکوٰۃ کے لیے خود کو وقف کرنے سے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ مال زکوٰۃ سے اسے گزارا الاؤنس دیا جائے تا کہ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفایت ہو سکے۔ چوں کہ یہ گزارا الاؤنس اپنے آپ کو زکوٰۃ کے لیے وقف کرنے کے باعث ہے، لہٰذا اسی سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ عامل خواہ مال دار ہو، اپنی خدمات کے عوض میں تنخواہ لے سکتا ہے، حالاں کہ مستحقین کی دیگر اقسام میں فقیر و محتاج ہونا شرط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جن مال دار افراد کے لیے زکوٰۃ لینا جائز قرار دیا ہے، عامل زکوٰۃ ان میں شامل ہے۔ حضرت عطا ابن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، سوائے ان پانچ افراد کے:

(1) اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا (2) عامل زکوٰۃ (3) مقروض یا تاوان میں پھنسا ہوا (4) وہ آدمی جو زکوٰۃ کی چیز اپنے مال کے بدلے میں خرید لے (5) وہ آدمی جس کا پڑوسی مسکین جو زکوٰۃ کا مستحق ہو، وہ صدقے کے طور پر ملی ہوئی چیز اس غنی کو بھیج دے"---

[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ و ھو غنی]

یاد رہے کہ باوجود اس کے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ادارۂ زکوٰۃ کی تشکیل کا اہتمام کرے لیکن اس خدمت کے عوض میں خود سربراہ مملکت، اس کے گورنرز، وزراء اور مشیر وغیرہ مال زکوٰۃ میں سے تنخواہیں اور اعزازیے وصول نہیں کر سکتے، کیوں کہ وہ عاملین میں شمار نہیں ہوتے۔ عاملین صرف وہی افراد ہیں جو براہ راست امورِ زکوٰۃ سے متعلقہ انتظامی ڈھانچے میں خدمت سر انجام دے رہے ہوں۔

عاملین کے تقرر کی ضرورت

زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم کے لیے ایک ادارے کی تشکیل و اہتمام، اسلامی ریاست کے فرائض اور ذمے داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عاملین بھیجا کرتے تھے۔ عاملین کے تقرر اور انہیں زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ کا صحیح حساب کتاب نہیں کر سکتے، عامل کا کام ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے پاس جا کر ان کے مال کا حساب کر کے انہیں راہنمائی مہیا کرے۔ بعض لوگ اپنے طبعی بخل کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں نکالتے، اس لیے عاملین ان سے جا کر وصول کرنے کی ذمہ داری سر انجام دیتے ہیں۔ فصلوں اور پھلوں کے تیار ہونے پر عاملین کو بھیجا جانا ضروری ہے،

تا کہ وہ کٹائی اور پھلوں کی چنائی کے وقت موجود ہوں کہ یہی وقت کھیتوں اور باغوں کے مالکوں پر عشر واجب ہونے اور وصول کرنے کا ہے۔ اسی طرح دور دراز علاقوں سے مویشیوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھی عملے کا تعین ضروری ہے۔ مزید یہ کہ ادارۂ زکوٰۃ کی نگرانی اور دفتری حساب کتاب کے لیے عملے کا تعین نہیں ہوگا تو مال زکوٰۃ میں بے قاعدگیاں ہوں گی اور مقصد زکوٰۃ فوت ہو جائے گا۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے عاملین کا تقرر ضروری ہے، لہٰذا ان کی تنخواہوں کا بوجھ ادارۂ زکوٰۃ برداشت کرے گا۔

عملۂ زکوٰۃ کی اہلیت کا معیار

زکوٰۃ، ارکان اسلام میں سے اہم رکن ہے۔ مال زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا کام اس رکن کی بجا آوری اور تکمیل میں مدد و تعاون کرنے کا نام ہے، اس لیے یہ اعلیٰ ترین دینی خدمت ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِيْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلٰى بَيْتِهٖ---[ابوداؤد، کتاب الخراج و الفیء و الامارۃ، باب فی السعایۃ، علی الصدقۃ]

"جو شخص حق کی خاطر زکوٰۃ کا عامل ہو، وہ اللہ کی راہ میں غازی کی طرح ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنے گھر کو لوٹ آئے"---

بیت المال کا خزانچی کہ جس کا کام محض حاکم کے حکم کی تعمیل کرنا اور مستحقین کے لیے مال جاری کرنا اور تقسیم کرنا ہے، خود اسے بھی زکوٰۃ و صدقات دینے والوں کی طرح اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْخَازِنَ الْأَمِينَ - الَّذِي يُعْطِي مَا أُمِرَ بِهٖ كَامِلًا مُوَفَّرًا طَيِّبَةً بِهٖ نَفْسُهٗ حَتّٰى يَدْفَعَهٗ إِلَى الَّذِي أُمِرَ لَهٗ بِهٖ - أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ---

"بے شک امانت دار خزانچی کہ جو خوش دلی سے پورا پورا دیتا ہے اس حکم کے مطابق جو اسے ملا ہے، اس شخص کو جسے دینے کا حکم دیا گیا ہے، تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں شمار ہوگا"---[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب اجر الخازن]

اس سے معلوم ہوا کہ جو افراد نظام زکوٰۃ سے وابستہ ہو کر مقاصد زکوٰۃ کو آگے بڑھاتے ہیں، وہ ایک مقدس دینی فریضہ سرانجام دینے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، خواہ اس خدمت کے عوض میں انہیں تنخواہ ہی کیوں نہ ملتی ہو۔ جہاں یہ منصب اور عہدہ ایک اعزاز ہے اور اجر و ثواب کے حصول کا

ذریعہ ہے، وہاں اس منصب اور مرتبے کا تقاضا ہے کہ محکمہ زکوٰۃ کے ملازمین میں للّٰہیت ہو اور دلوں میں اللہ کا ڈر سمایا ہوا ہو۔ دیانت دار ہوں اور عوام الناس کی خدمت اور فلاح و بہبود کے جذبے سے سرشار ہوں۔ علاقائی اور محلے کی سطح پر بنائی گئی کمیٹیوں کے ممبرز، سیاسی وابستگی اور سرداری کی خواہش سے بالاتر ہو کر حاجت مندوں کی خدمت کریں۔ جو شخص اس عہدے کو اپنے لیے ایک نفع بخش ذریعہ روزگار سمجھے اور اس سے معاشرتی اثر ورسوخ اور ووٹ حاصل کرنے کا خواہش مند ہو، وہ اس عہدے کا اہل نہیں ہو سکتا۔

عامل زکوٰۃ کے لیے سب سے بڑا اور اہم معیار دیانت داری کا وصف ہے۔ محکمہ زکوٰۃ کے خیانت کار ملازمین اور جعل سازی کے ذریعے غیر مستحق لوگوں کو زکوٰۃ سے مال دلوانے کا جرم کرنے والے اہل کار، رسول اللہ ﷺ کی یہ تنبیہات پیش نظر رکھیں:

حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا:

ہم جس کسی کو عامل بنائیں اور وہ اس میں سے ایک سوئی بھی چھپالے، تو یہ خیانت ہوگی، جسے قیامت کے روز لا کر پیش کرنا پڑے گا۔ یہ سن کر ایک سیاہ فام شخص اٹھا۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، گویا میں اسے اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ وہ عرض گزار ہوا، یارسول اللہ! آپ مجھ سے اپنا کام واپس لے لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ تمھیں کیا ہوا؟ اس نے عرض کی: میں نے آپ کو اس طرح کی بات فرماتے ہوئے سنا ہے۔ حضور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے اور میں اب بھی کہتا ہوں کہ جس شخص کو ہم عامل بنائیں اسے جو بھی ملے، کم ہو یا زیادہ، وہ لے آئے، پھر جو اس میں سے دیا جائے وہ لے لے اور جس چیز سے روک دیا جائے اس سے رک جائے۔ [مسلم، کتاب الامارۃ]

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عامل مقرر فرما کر بھیجا اور فرمایا: اے ابومسعود! جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز میں تجھے اس حالت میں ملوں کہ تم اس طرح آؤ کہ تمہاری پیٹھ پر زکوٰۃ کا اونٹ لدا ہوا ہو جو تم نے زکوٰۃ کے مال سے چرایا ہو اور وہ اونٹ بلبلا رہا ہو۔ ابومسعود نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہے تو میں عامل نہیں بنتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تجھے مجبور نہیں کروں گا (یعنی اگر اپنے آپ پر اعتماد ہے تو ٹھیک، ورنہ عامل نہ بننا بہتر ہے۔

[ابوداؤد، کتاب الخراج و الفیء والامارۃ]

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ایک آدمی کو صدقات پر عامل بنایا

جو بنو اسد قبیلے کا تھا اور وہ ابن الاتبیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پس جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں ملا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

عامل کا کیا حال ہے، ہم اسے بھیجتے ہیں تو آ کر کہتا ہے کہ یہ مال آپ کے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہے۔ پس کیوں نہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ رہا اور انتظار کرتا کہ کوئی اسے تحفہ دیتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر کسی نے کوئی چیز رکھی تو قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر وہ اونٹ ہوا تو بلبلا رہا ہوگا، گائے ہوئی تو ڈکرا رہی ہوگی، بکری ہے تو ممیاتی ہوئی آئے گی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ مبارک بلند فرمائے، یہاں تک کہ ہم نے بغلوں کی سفیدی دیکھی اور تین مرتبہ یوں کہا: میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا۔ [بخاری، کتاب الاحکام، باب هدایا العمال/ ابوداؤد، کتاب الخراج و الفیء و الامارۃ، باب هدایا العمال]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ محکمہ زکوٰۃ کے ملازمین کی بنیادی اہلیت یہ ہے وہ کہ دیانت دار ہوں، خائن نہ ہوں اور اپنے اس عہدے کو دنیاوی مفادات کے حصول کا سبب نہ بنائیں۔ اس بنیادی وصف کے علاوہ، محکمہ زکوٰۃ میں ملازمت کی اہلیت کے ضمن میں تجویز ہے کہ:

عامل زکوٰۃ، احکام زکوٰۃ سے باخبر ہو۔ جن امور میں مسائل و احکام کی ضرورت پیش نہیں آتی اور اہل کار اپنے متعین دائرہ کار میں کام کرتا ہے، ان عہدوں پر فائز ہونے کے لیے احکام زکوٰۃ کا علم ہونا ضروری نہیں ہے، جیسے کلیریکل پوسٹیں۔ لیکن مرکزی نوعیت کے عہدے کہ جہاں زکوٰۃ دہندگان اور زکوٰۃ وصول کنندگان کے متعلق اور نظم زکوٰۃ کے بارے میں کلیدی فیصلے کیے جاتے ہوں، وہاں ضروری ہے کہ آفیسرز، زکوٰۃ کے مسائل سے آگاہ ہوں تاکہ قرآن و سنت اور فقہی احکام کی روشنی میں فیصلے کر سکیں اور فوری نوعیت کے جدید مسائل زکوٰۃ کے بارے میں اجتہاد کر سکیں۔ اسی طرح مقامی سطح کی کمیٹی کے چیئرمین اور ممبران کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ مسائل زکوٰۃ کی ضروری جزئیات جانتے ہوں، تاکہ تقسیم زکوٰۃ کے مرحلے میں کوئی دانستہ یا نادانستہ شرعی بے ضابطگی نہ ہونے پائے۔

و لا یبعث الا حراً عدلاً فقیھاً یستطیع ان یجتھد فیما یعرض من مسائل الزکوٰۃ و احکامھا--- [ابن العربی، احکام القرآن، جلد ۲، صفحہ ۶۲]

''اور آزاد، عادل اور فقیہ کے علاوہ کسی کو عامل نہ بنایا جائے تا کہ وہ مسائل و احکامِ زکوٰۃ کے ضمن پیش آنے والے معاملات میں اجتہاد کر سکے''---

عامل لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا قرابت دار نہ ہو، یعنی اس کا تعلق سادات سے نہ ہو۔ یہ خاندان نبوت کی تعظیم و توقیر کی وجہ سے ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کا مال لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے لہٰذا حضور ﷺ کے قرابت داروں کے اکرام و احترام کا تقاضا ہے کہ انہیں اس سے دور رکھا جائے۔ ہاں، اگر وہ رضا کارانہ خدمت انجام دینا چاہیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ یوں ہی اگر بیت المال کے غیر زکوٰۃ فنڈ سے یا کسی اور مد سے انہیں تنخواہ دی جائے تو بھی جائز ہے۔ گویا آلِ رسول (ﷺ) یا ہاشمی کو عامل بنانے میں اس کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہیں کہ مال زکوٰۃ میں سے انہیں دینا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

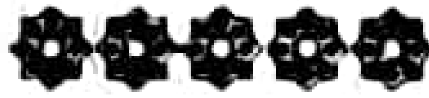
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نوفل بن حارث نے اپنے دو صاحب زادوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ اپنے چچا جان کی خدمت میں جاؤ، ممکن ہے کہ وہ صدقات کی وصولی پر مقرر فرما دیں۔ دونوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنا مقصد حاضری عرض کیا۔ حضور ﷺ نے دونوں سے فرمایا:

تم اہل بیت کے لیے صدقات میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے کیوں کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں کا میل ہے۔ [کنز العمال، رقم: ۱۶۵۳۰]

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس بات کی درخواست کریں کہ وہ آپ کو صدقات پر عامل مقرر فرما دیں۔ ان کے عرض کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں تمہیں لوگوں کے گناہوں کے دھوون پر مقرر نہیں کروں گا۔ [کنز العمال، رقم: ۱۶۹۶۲]

[جاری ہے]



مسائل زکوٰۃ

پروفیسر مفتی محمد ابراہیم قادری

آج کا مسلمان دینی تعلیمات اور اسلام کے اہم اور ضروری مسائل سے ناواقف ہے، حالانکہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر دین کے ضروری مسائل کا جاننا فرض ہے۔

جو شخص پیشہ تجارت سے وابستہ ہے، اس پر تجارت سے متعلق حلال و حرام کے مسائل کا جاننا ضروری ہے۔ یونہی جو ملازم ہے، اس پر فرض ہے کہ وہ اجارہ کے ضروری مسائل کو جانے۔ علیٰ ھذا القیاس نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح اور دیگر معاملات سے، جس جس شخص کا تعلق ہے، اس پر ان کے مسائل ضروریہ کا علم لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مشہور فرمان "العلم فریضۃ علی کل مسلم" کے ذریعہ انہی ضروری مسائل کی فرضیت کو بیان فرمایا ہے۔

قارئین کرام! زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے، لوگ اپنی لاعلمی کی بنا پر بسا اوقات اپنی زکوٰۃ ضائع کر بیٹھتے ہیں اور وہ اپنی تئیں سمجھتے ہیں کہ وہ ادائیگی فریضہ سے سبک دوش ہو چکے ہیں۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم مسائل پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے، بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ جیسے تیسے ادا کر دی، کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا ہے، وہ قبول کر لے گا۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ نے ادائیگی زکوٰۃ سے متعلق جو شرائط عائد کی ہیں،

ان کو بجالائے بغیر وہ زکوٰۃ قبول نہیں فرماتا۔ کچھ لوگ اس لیے نہیں پوچھتے کہ ان کے پاس مسائل پوچھنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ دنیوی، کاروباری اور گھریلو معاملات کو اوّلیت دیتے ہیں، دینی مسائل کی ان کی نگاہ میں کوئی خاص اہمیت نہیں اور عوام الناس کا ایک بڑا طبقہ وہ ہے، جو مسائل پوچھنے سے شرماتا ہے، حالانکہ پوچھنا، باعث شرم بات نہیں۔ خود اللہ کریم ﷻ نے ہمیں اہل علم سے پوچھنے کی دعوت دی ہے، وہ فرماتا ہے:

﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾---[النحل،۱۶:۴۳]

"اہل علم سے پوچھو، اگر تم نہیں جانتے"---

انہی حالات کے پیش نظر میں نے کوشش کی ہے کہ مسائل زکوٰۃ کو سلیس زبان اور آسان پیرایہ میں بیان کروں۔ آخر میں مزید افادیت کے لیے بعض اہم مسائل کو سوال و جواب کی شکل میں تحریر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے مسلمان بھائیوں کے لیے مفید بنائے۔

زکوٰۃ کی اہمیت

زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ۳۲ مقامات پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمایا اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور بعض قبائل عرب نے فرضیت زکوٰۃ سے انکار کردیا تو آپ نے ان کی سرکوبی کے لیے ان سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا۔ اس موقع پر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، آپ ان لوگوں سے جنگ کیوں کرتے ہیں؟ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں، یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللّٰہ کہیں اور جس نے لا الٰہ الا اللّٰہ کہہ دیا، اس نے اپنی جان اور مال بچالیا (یعنی یہ لوگ لا الٰہ الا اللّٰہ) کہنے والے ہیں، پھر آپ ان سے کیوں جنگ کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کی قسم! میں ان سے جہاد کروں گا، جو نماز، روزہ اور زکوٰۃ میں تفریق کرے (یعنی نماز کو فرض جانے اور زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کرے) خدا کی قسم یہ لوگ بکری کا بچہ جو حضور سید عالم ﷺ کے پاس حاضر کرتے تھے، اگر مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے اس پر جہاد کروں گا۔

زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ آپ ان آیات واحادیث سے بھی لگا سکتے ہیں، جن میں زکوٰۃ نہ

دینے والوں کا انجام بتا کر اہل ایمان کو ڈرایا گیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿و الذین یکنزون الذهب و الفضة و لا ینفقونها فی سبیل اللّٰه فبشرهم بعذاب الیم O یوم یحمی علیها فی نار جهنم فتکوی بها جباههم و جنوبهم و ظهورهم هذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون O﴾---[سورۂ توبہ:۳۵،۳۴]

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ جس دن جہنم کی آگ میں وہ گرم کیے جائیں گے اور ان سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ جو تم نے اپنے نفس کے لیے جمع کیا تھا۔ اب چکھو جو جمع کرتے تھے''---

زکوٰۃ ادا کرنے کا فائدہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿یمحق اللّٰه الربوا و یربی الصدقات﴾---[سورۂ بقرہ:۲۷۶]

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقوں کو بڑھاتا ہے''---

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ما نقصت صدقة من مال---

''صدقہ مال میں کمی نہیں پیدا کرتا''---

زکوٰۃ ادا کرنے سے بظاہر مال گھٹتا ہے، مگر درحقیقت بڑھتا ہے۔ آخرت میں اس کا بڑھنا تو واضح ہے کہ ہر نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو زیادہ بھی عطا فرمائے گا اور دنیا میں بڑھنا دو طرح سے ہے:

ایک تو مال میں برکت ہوتی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے، وہ بفضلہٖ تعالیٰ چوری، ڈکیتی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ کی برکت سے اللہ تعالیٰ روزی میں فراخی اور ذرائع معاش میں وسعت پیدا فرماتا ہے اور بہت سے بگڑے ہوئے کام بنا دیتا ہے۔

دوسرا یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے روپیہ گردش کرے گا اور مستحقین زکوٰۃ کی قوت خرید بڑھے گی

اور جب مستحقین کی قوت خرید بڑھے گی تو زکوٰۃ نکالنے والوں کا کاروبار بڑھے گا اور جب ان کا کاروبار بڑھے گا تو ان کی آمدن میں اضافہ ہوگا اور یہی مال کا بڑھنا ہے۔

زکوٰۃ کی تعریف

زکوٰۃ کا لفظی معنی بڑھنا اور پاک ہونا ہے اور چونکہ زکوٰۃ کے ذریعہ آدمی کا مال بڑھتا ہے اور وہ زکوٰۃ دے کر اپنے دل کو مال کی ہوس وحرص سے پاک کرتا ہے، اس لیے اس اداشدہ مال کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے اور شریعت کے محاورہ میں زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے لیے مال کے ایک حصہ کا، جو شریعت نے مقرر کیا ہے، مسلمان فقیر کو مالک کر دینا ہے۔

زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے

زکوٰۃ کے فرض ہونے کی چند شرطیں ہیں، ان میں سے بعض اہم شرائط کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

- آدمی مسلمان ہو، لہٰذا کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔
- بالغ ہو، لہٰذا بچہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔
- عقل والا ہو، لہٰذا پاگل پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔
- ذاتی، گھریلو ضروریات اور قرض نکالنے کے بعد آدمی نصاب کا مالک ہو۔ (تفصیل آرہی ہے)
- نصاب پر ایک سال کا عرصہ گذر گیا ہو۔

نصاب کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو تھوڑے یا زیادہ مال کا مالک بنایا ہے، اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سو روپے یا پچاس روپے بلکہ اس سے بھی کم پر زکوٰۃ فرض کر دیتا مگر وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، اس نے ہم پر تھوڑے مال کے مالک ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کو فرض نہیں کیا، بلکہ زکوٰۃ کے لیے مال کی ایک خاص مقدار مقرر فرمائی ہے، جب ہمارا مال اس مقدار کو پہنچ جائے تو ہمیں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ مقدار ساڑھے سات تولہ سونا (87.48 گرام) یا ساڑھے باون تولہ چاندی (612.36 گرام) یا اس کی مالیت کی نقدی یا مال تجارت ہے۔ اس کو نصاب کہتے ہیں۔

کن کن چیزوں پر زکوٰۃ آتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی اشیاء کا مالک بنایا ہے، اسے مکان، دوکان، گاڑی، کارخانہ، اراضی، مویشی، سونا، چاندی، نقدی، سامان تجارت اور گھریلو اثاثہ جات کا مالک بنایا ہے مگر ان سب کو

قابل زکوٰۃ نہیں بنایا بلکہ ان میں سے بعض اشیاء پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور وہ اشیاء یہ ہیں:

- چاندی، جب کہ ساڑھے باون تولہ یعنی 612.36 گرام ہو۔
- نقدی، جب ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو، مثلاً آج ساڑھے باون تولہ چاندی کا مارکیٹ ریٹ پانچ ہزار روپے ہے، تو جو شخص پانچ ہزار روپے نقدی کا مالک ہے، اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اس سے ایک روپیہ بھی کم ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔
- مال تجارت، جب کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو۔
- سونا، جب کہ ساڑھے سات تولہ یعنی 87.48 گرام ہو۔
- چرائی کے جانور، یعنی وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ مفت کے جنگل میں چرتے ہوں۔ یہ قسم چونکہ ہمارے ہاں عام طور پر نہیں پائی جاتی، اس لیے یہاں اس کے احکام بیان نہیں کیے جائیں گے۔

سونا چاندی وغیرہ کو کب ملایا جائے گا

اگر کسی کے پاس سونا بھی ہو اور چاندی بھی اور ہر ایک کا نصاب کامل ہو تو یہ ضروری نہیں کہ سونے کو چاندی اور چاندی کو سونا قرار دے کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی کا نصاب کامل نہ ہو تو سونے کو چاندی قرار دیا جائے گا۔ اب اگر دونوں کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو زکوٰۃ فرض ہے اور اگر کم ہے تو زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس سونا، چاندی، روپیہ، مال تجارت ہو اور کسی کا نصاب پورا نہ ہو تو سب کو چاندی قرار دے کر دیکھا جائے گا کہ ان کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے یا نہیں؟ اگر برابر ہے تو زکوٰۃ فرض ہے، ورنہ فرض نہیں۔ مثلاً ایک شخص کے پاس دس تولہ چاندی، جس کی قیمت دو ہزار روپے اور ایک تولہ سونا، جس کی قیمت چھ ہزار روپے ہے اور دو ہزار روپے کا مال تجارت ہے اور ایک ہزار کی نقدی موجود ہے تو ان سب کی مجموعی مالیت یعنی گیارہ ہزار روپے پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

مال تجارت کا مفہوم

یاد رہے کہ سونا، چاندی کسی شکل میں ہو، بیچنے کے لیے ہو یا پہننے کے لیے، خام حالت میں ہو یا زیور کی شکل میں، ہر حال میں زکوٰۃ لازم ہے۔ اسی طرح نقدی میں کسی تفصیل میں پڑے بغیر زکوٰۃ لازم ہے، جب کہ ان کا نصاب مکمل ہو یا ان کی مجموعی مالیت نصاب کے برابر ہو۔ مگر سونا، چاندی اور نقدی کے علاوہ دوسری اشیاء میں زکوٰۃ اس وقت لازم ہوگی، جب ان اشیاء کو بیچنے کی

غرض سے خریدا گیا ہو۔ جیسے گوداموں اور دوکانوں میں موجود سامان تجارت ہے اور اگر کسی نے ایک چیز خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہیں کی، بلکہ استعمال کی غرض سے خریدی، بعد میں یہ ارادہ کرلیا کہ میں مناسب قیمت ملنے پر بیچ دوں گا تو یہ مال تجارت نہیں، لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ مثلاً کسی نے مکان یا دوکان یا گاڑی اس نیت سے خریدی کہ جب مناسب قیمت ملے گی تو بیچ دوں گا، تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور اگر خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہیں تھی بلکہ اس لیے خریدا تھا کہ انہیں خود استعمال کروں گا، بعد میں اس کا خیال بدل گیا تو ان چیزوں پر زکوٰۃ لازم نہیں۔ ہاں جب اسے بیچ دیا تو نقدی کی شکل میں جو اسے قیمت وصول ہوئی، اس پر زکوٰۃ ہے، کیوں کہ نقدی پر ہر حال میں زکوٰۃ لازم ہے۔

جب آپ پر واضح ہو چکا ہے کہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوئے مال پر زکوٰۃ فرض ہے اور تجارت کی نیت کے بغیر خریدے ہوئے مال پر زکوٰۃ فرض نہیں تو آپ پر یہ بات بھی کھل گئی ہوگی کہ استعمال کے لیے خریدے جانے والے مکان، دوکان، گودام، گاڑی، پلاٹ، فرنیچر اور زرعی اراضی پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ اسی طرح فیکٹری، کارخانہ کی عمارت اور ان کی مشینری پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس میں تیار کردہ مال پر زکوٰۃ ہے۔

سال کا گزرنا

اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ ہے کہ اس نے کل کمائی پر زکوٰۃ فرض نہیں کی بلکہ خرچ کرنے کے بعد بچی ہوئی دولت پر زکوٰۃ فرض فرمائی اور اس پر بھی فوراً زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس کے لیے ایک سال کی مدت مقرر فرمائی، جب تک مال پر سال مکمل نہیں ہو جاتا، زکوٰۃ فرض نہیں کی۔ مثلاً ایک شخص جو صاحب نصاب نہیں تھا، یکم رمضان کو اس کے پاس دس ہزار روپے بطور تحفہ آئے تو یہ شخص یکم رمضان کو صاحب نصاب ہو گیا مگر اس پر آج ہی زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں۔ جب تک اگلے سال کی یہی تاریخ نہ آجائے اور یہ رقم پوری یا بقدر نصاب اس کے پاس محفوظ نہ ہو۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس شخص کو یکم رمضان ۱۴۲۱ھ سے یکم رمضان ۱۴۲۲ھ تک درمیان میں جو مال حاصل ہوگا، سب کی زکوٰۃ یکم رمضان ۱۴۲۲ھ کو ادا کرنا ہوگی۔ درمیان سال میں حاصل ہونے والے مال کا الگ سال شمار نہیں ہوگا۔ مثلاً یہی شخص جو یکم رمضان ۱۴۲۱ھ کو دس ہزار روپے

کا مالک ہوا تھا، چار ماہ بعد اس کے پاس مزید چار ہزار روپے آئے تو ان چار ہزار روپے کا وہی سال ہوگا، جو دس ہزار روپے کا تھا۔ حتیٰ کہ اگر سال مکمل ہونے سے ایک روز قبل یعنی ۳۰ شعبان کو اس کے پاس مزید دس ہزار روپے آئے تو دوسرے روز یکم رمضان ۱۴۲۲ھ کو یہ شخص چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) روپے کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

زکوٰۃ کس مہینہ میں دی جائے

یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ جب سال مکمل ہو جائے تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا کیسے جانے کہ اس کے مال پر ایک سال گزر چکا ہے۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی کے پاس نصاب کے برابر یا زائد مال آ جائے تو اس تاریخ کو یاد کرلے بلکہ لکھ لے۔ مثلاً یکم ربیع الاوّل کو ایک شخص صاحب نصاب ہوا اور اب اگر دوسرے سال یکم ربیع الاوّل میں اس کا نصاب محفوظ رہا تو ایک سال مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس کی زکوٰۃ ادا کردے اور اگر کچھ یاد نہیں کہ وہ کب صاحب نصاب ہوا تھا تو کوئی ایک مہینہ اور اس کی تاریخ مقرر کرلے، دوسرے سال جب وہی تاریخ اور وہی مہینہ آ جائے تو زکوٰۃ ادا کردے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جس مہینہ میں مالک نصاب ہو، دوسرے سال اس مہینہ میں زکوٰۃ ادا کردے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شاید رمضان المبارک میں زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، یہ خیال درست نہیں ہے، کیوں کہ اگر نصاب کا سال رمضان سے پہلے مکمل ہو چکا ہے تو رمضان تک تاخیر گناہ ہوگی [ملاحظہ ہو، درمختار، جلد ۳، صفحہ ۱۹۲، مکتبہ امدادیہ، ملتان] ہاں کوئی چاہے تو رمضان میں پیشگی زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ ادا کرنے کا اجر بھی زیادہ ہے کہ رمضان میں فرض کی ادائیگی پر ستر گنا اجر ملتا ہے۔

قیمت مقرر کرنے میں کون سی تاریخ معتبر ہے

اگر سونے کی زکوٰۃ سونے سے اور چاندی کی زکوٰۃ چاندی سے ادا کی جائے تو ان کی قیمت مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر سونے، چاندی، مال تجارت کی زکوٰۃ نقدی سے ادا کی جائے تو اس کی قیمت مقرر کرنی ہوگی اور قیمت خرید کے دن کی معتبر نہیں بلکہ اس روز کی قیمت معتبر ہوگی، جس روز اس کا سال مکمل ہوا۔ مثلاً ایک شخص نے تجارت کی غرض سے ایک موٹر سائیکل ۲۵۰۰۰ روپے کا خریدا، اب سال مکمل ہونے پر اس کی قیمت ۳۰۰۰۰ روپے ہے تو وہ تیس ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

قرض کا منہا کرنا

جو شخص مالک نصاب ہو اور اس کے ذمہ لوگوں کا قرض بھی ہو تو اس پر زکوٰۃ اس وقت فرض ہو گی، جب قرض منہا کرنے کے بعد بچی ہوئی رقم نصاب کے برابر ہو اور اگر قرض منہا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے یا بقدر نصاب نہ بچے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپے مالیت کی قابل زکوٰۃ اشیاء ہیں اور اس پر اتنا ہی یا اس سے زیادہ قرض ہے تو اس کے ذمہ زکوٰۃ نہیں اور اگر اس کے ذمہ بالفرض ۵۰۰۰۰ روپے قرض ہو تو اسے منہا کرنے کے بعد پچاس ہزار روپے بچتے ہیں تو اس پر ۵۰۰۰۰ روپے کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

قرض میں پھیلی ہوئی رقم کی زکوٰۃ

اگر مالک نصاب شخص کا کسی دوسرے پر قرض آتا ہو اور اس کے ملنے کی امید ہو تو بہتر ہے کہ ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرے اور اگر چاہے تو رقم وصول ہونے پر زکوٰۃ ادا کرے مگر اس صورت میں اسے گزشتہ برسوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی، اور اگر قرض ملنے کی امید نہ رہے، اس طرح کہ جس پر قرض ہے، وہ قرض سے انکار کر رہا ہو اور قرض دینے والے کے پاس گواہ نہیں ہیں یا جس پر قرض ہے، وہ ایسا غائب ہے کہ اس کے ٹھکانے کا علم نہیں تو ایسی صورت میں اگر قرض وصول ہو جائے تو صرف اسی سال کی زکوٰۃ واجب الادا ہوگی، پچھلے برسوں کی زکوٰۃ اس کے ذمہ نہیں ہے۔

شرح ادائیگی زکوٰۃ

اس شان رحمت کا انداز دیکھیے کہ ہمارا مال اور اس کے ذرائع حصول، اس کے عطا کردہ ہیں، اگر وہ چاہتا تو ہمیں سارا مال اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا اور وہ چاہتا تو آدھا مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور ہم اس کا حکم بجالانے کے پابند ہوتے مگر علیم و حکیم رب نے ہم پر صرف اڑھائی فی صد زکوٰۃ کو فرض فرمایا ہے اور 97.5 فی صد اپنے پاس رکھنے اور اپنی مرضی سے خرچ کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ خواہ اڑھائی فی صد اسی مال کا دیا جائے یا اس کے برابر نقدی دی جائے۔ اگر کوئی چاہے تو ساڑھے سات تولہ سونا پر دو ماشہ سونا زکوٰۃ کے طور پر دے اور ساڑھے باون تولہ چاندی پر ایک تولہ تین ماشہ چھ رتی چاندی زکوٰۃ کے طور پر ادا کر دے یا اس کی قیمت دے دے۔ یونہی مال تجارت پر چاہے تو اڑھائی فی صد کے حساب سے اسی جنس کی چیز دے دے اور چاہے تو اس کی قیمت دے دے۔

کیا زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کا نام لینا ضروری ہے؟

بہت سے لوگ لاعلمی کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو بتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے، اس طرح بہت سے سفید پوش مستحقین، زکوٰۃ لینے سے گھبراتے ہیں، اس سے ان کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ حالانکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے زکوٰۃ کا نام آنا ضروری نہیں بلکہ اسی قدر کافی ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت آپ کے دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو، زبان سے آپ اسے کچھ بھی نام دے دیں، عیدی کہیں، گفٹ کہیں، خواہ خدمت کا نام دیں۔ اس طرح آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور عزت والا شرمندگی بھی محسوس نہیں کرے گا۔ عزیزوں، رشتہ داروں کو زکوٰۃ دیتے وقت اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہیے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مالک بنانا ضروری ہے

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے والا، مستحق زکوٰۃ کو اس زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا دے۔ اس لیے زکوٰۃ کی رقم سے مسجد، ہسپتال، اسکول اور ایسے مکانات جو محض استعمال کے لیے کسی کو دیے جائیں، نہیں بنائے جا سکتے، کیوں کہ اس رقم کا کسی کو مالک نہیں بنایا گیا۔ ہاں مستحقین کو زکوٰۃ کے طور پر دوائیں، کتابیں اور مالکانہ حقوق کے ساتھ مکان دیئے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح مستحقین زکوٰۃ کو کھانا کھلا دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیوں کہ کھانا کھلانے سے دوسرا شخص مالک نہیں ہو جاتا۔ ہاں اگر کھانا مستحقین میں تقسیم کر کے انہیں مالک کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

کسے زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کسے نہیں؟

- جو شخص صاحب نصاب ہو، اسے زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ یہاں صاحب نصاب سے مراد یہ ہے کہ وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر کسی ایسی چیز کا مالک ہو جو اس کی ضروری حاجات سے زائد ہے، اگرچہ وہ مال نامی نہ ہو اور اس پر سال نہ گزرے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے پاس دو تولہ سونا ہے، اگرچہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے مگر اس شخص کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، کیوں کہ دو تولہ سونا کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی سے زیادہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر قیمت کا ٹی وی، وی سی آر یا فالتو موٹر سائیکل موجود ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

- صاحب نصاب کی نابالغ اولاد کوزکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ہاں اس کی بالغ اولاد کوزکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جب کہ وہ صاحب نصاب نہ ہوں۔
- بنو ہاشم کوزکوٰۃ دینا جائز نہیں اور بنو ہاشم حضرت علی ؓ، حضرت عقیل ؓ، حضرت جعفر ؓ، حضرت عباس ؓ اور حضرت حارث بن عبدالمطلب ؓ کی اولاد ہیں۔
- بیوی شوہرکوزکوٰۃ نہیں دے سکتی۔
- شوہر بیوی کوزکوٰۃ نہیں دے سکتا۔
- آدمی جن سے نکلا، یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اوپر تک اور جولوگ اس سے نکلے، یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی نیچے تک کوزکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔
- کافرکوزکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

ان سات اقسام کے علاوہ دوسرے مستحقین زکوٰۃ لوگوں کوحتیٰ کہ اپنے قریبی عزیزوں کو یعنی بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اوران کی اولاد، یونہی بہنوئی اور سالے کوزکوٰۃ دینا جائز ہے۔

سوال و جواب

زکوٰۃ سے متعلق لوگ عموماً الجھنوں کا شکار رہتے ہیں، چنانچہ میں نے ان کی مشکلات کے جاننے کے لیے اپنے ایک دینی بھائی کے ذمہ یہ کام سپرد کیا کہ وہ لوگوں سے سوالات معلوم کریں، پھرانہیں تحریری شکل دے کر مجھے دکھائیں۔چنانچہ انہوں نے کئی روز کی محنت کے بعد ایک سوال نامہ مرتب کیا، جس کے مندرجات کوجوابات کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

شیئرز اور انعامی بانڈ پر زکوٰۃ

سوال: کیا پرائز بانڈ اور کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب: پرائز بانڈ پر جو قیمت لکھی ہوئی ہے، اس پر اڑھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ واجب الادا ہے۔اسی طرح سال مکمل ہونے پر جو بازار میں اس روز شیئرز کی قیمت ہوگی، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ایڈوانس میں دی جانے والی رقم پر زکوٰۃ

سوال: جورقم دوکان یا مکان کرایہ پر لیتے وقت مالک کو بیعانہ کے طور پر دی جاتی ہے، اس پرزکوٰۃ ہے یانہیں؟ اگر ہے تو اس کی زکوٰۃ کون دے گا؟

جواب: بیعانہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز کی ابھی باقاعدہ خرید وفرخت نہیں ہوئی، بلکہ صرف وعدۂ خرید وفروخت درمیان میں آیا ہے اور خریدنے کا ارادہ رکھنے والی پارٹی دوسری پارٹی کو کچھ رقم پیشگی دے دیتی ہے تاکہ دونوں کو اطمینان رہے اور یہ رقم دوسری پارٹی کو خرچ کرنے کا ہمارے عرف میں اختیار ہوتا ہے، لہٰذا یہ رقم دوسری پارٹی پر قرض ہوتی ہے اور زکوٰۃ قرض دینے والے کے ذمہ ہوتی ہے، لہٰذا بیعانہ کی زکوٰۃ قرض دینے والی پارٹی کے ذمہ ہے۔ اسی طرح مکان یا دوکان کرایہ پر لیتے وقت قبضہ سے پہلے جو رقم مالک کو دی جاتی ہے، وہ مالک پر قرض ہوتی ہے، لہٰذا اس کی زکوٰۃ مالک پر نہیں، کرایہ دار پر ہے۔

کمیٹی پر زکوٰۃ

سوال: ایک شخص نے کمیٹی ڈالی ہے، جس کی ماہوار قسط ایک ہزار روپے ہے اور کل مدت بیس ماہ ہے، اس شخص کو دوسرے ہی ماہ کمیٹی کی کل رقم مل جاتی ہے، تو کیا سال گزرنے پر اس پوری رقم پر زکوٰۃ ادا کرے گا یا واجب الادا مہینوں کی رقم منہا کرے گا؟

جواب: اگر یہ شخص پہلے سے صاحب نصاب ہے تو سال مکمل ہونے پر جتنی قسطیں ادا کر چکا ہے، اگر سب قسطیں محفوظ ہیں یا ان کا بعض حصہ محفوظ ہے تو انہیں نصاب میں شامل کر کے مجموعہ کی زکوٰۃ ادا کرے اور اگر سب قسطیں خرچ کر چکا ہے تو کمیٹی پر زکوٰۃ نہیں اور اگر یہ شخص پہلے سے صاحب نصاب نہیں ہے تو جب ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر یہ قسطیں ادا کرے گا (بشرطیکہ ان قسطوں کی رقم محفوظ ہو) تو یہ صاحب نصاب ہو جائے گا۔ پھر جب سال مکمل ہوگا تو تکمیل سال پر یہ جس قدر قسطیں ادا کرنے کے بعد بچت کرے گا، اس رقم پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔
ادا کردہ قسطوں سے زائد رقم جو اس کے پاس آئی، وہ قرض ہے، اسے نصاب میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

سوال: ملازم کی تنخواہ سے جو رقم گورنمنٹ ہر ماہ کاٹتی ہے اور ریٹائرمنٹ کے وقت اصل رقم کے ساتھ ایک مقررہ اضافہ شامل کر کے اسے دے دیتی ہے، آیا ملازم پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: پراویڈنٹ فنڈ کی اصل رقم پر ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں بلکہ ریٹائرمنٹ کے بعد جب رقم اس کے قبضہ میں آئے گی تو صرف اسی سال کی زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ رہا اضافہ تو اس کے سود ہونے یا نہ ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بہتر ہے کہ اضافہ نہ لے اور

جب اضافہ نہیں لیا تو اس پر زکوٰۃ آنے کا بھی سوال نہیں ہوگا۔

بینک کا زکوٰۃ کاٹنا

سوال: جو لوگ اپنی رقم بینک میں جمع کرواتے ہیں، رمضان کے ابتدائی دنوں میں بینک ان کی زکوٰۃ کاٹ لیتا ہے، کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

جواب: اخباری رپورٹوں اور ان کے اداریوں سے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ حکومت بینکوں کے ذریعے وصول کی گئی زکوٰۃ کو صحیح مصارف پر خرچ نہیں کرتی اور زکوٰۃ صحیح مصارف پر خرچ نہ کرنے سے ادا نہیں ہوتی۔ اس لیے کھاتہ داروں پر لازم ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود ادا کیا کریں اور مقررہ تاریخ سے پہلے اپنی رقوم بینکوں سے نکلوالیا کریں، اگر ایسا انتظام نہیں کیا اور بینک نے زکوٰۃ کاٹ لی تو کھاتہ دار دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔

اس آفت سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی رقوم سیونگ اکاؤنٹ میں جمع کرانے کی بجائے کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کروایا کریں کیوں کہ بینک صرف سیونگ اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقوم پر زکوٰۃ کاٹتے ہیں۔ اس سے جہاں آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ آپ اپنے پسندیدہ مصارف میں زکوٰۃ خرچ کر سکیں گے، وہاں دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ سود کی لعنت سے بچ جائیں گے کیوں کہ کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع روپے پر سود نہیں دیا جاتا۔

زکوٰۃ کے حساب میں قرض معاف کرنا

سوال: ایک شخص اپنے دوست کو دس ہزار روپے قرض دیتا ہے، اس کا دوست غریب آدمی ہے، جو ادائیگی قرض کی سکت نہیں رکھتا، تو کیا قرض خواہ کو یہ جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ دینے کی نیت سے دس ہزار روپے کی رقم چھوڑ دے؟

جواب: اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اگر قرض خواہ چاہتا ہے کہ دس ہزار روپے کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور اس کے دوست کا قرض بھی اتر جائے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرض خواہ اسے دس ہزار روپے زکوٰۃ کی نیت سے دے دے اور پھر دوسرے لمحے اس سے قرض وصول کرنے کے لیے وہ رقم اس سے پھیر لے۔

قرض کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟

سوال: زید پچاس ہزار روپے کا مالک تھا، جو اس نے بکر کو بطور قرض دیے، اب اس رقم پر سال گزر گیا مگر تا حال رقم بکر ہی کے پاس ہے، اب اس رقم پر زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

جواب: اس رقم کی زکوٰۃ بکر کے ذمہ نہیں ہے کیوں کہ بکر پر یہ رقم قرض ہے اور قرض پر زکوٰۃ نہیں آتی، بلکہ اس رقم پر زکوٰۃ زید کے ذمہ ہے۔ زید یا تو ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرے یا یک مشت ملنے پر پچھلے برسوں کی بھی ادا کرے، اگر وصولی میں چند برس لگ جائیں۔

بچیوں کے جہیز و زیورات پر زکوٰۃ

سوال: لوگ اپنی بچیوں کی شادی کے لیے پہلے سے جہیز اور زیورات کا انتظام کرتے ہیں، آیا ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب: جہیز پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ زیورات میں تفصیل ہے کہ اگر یہ زیورات سونا، چاندی کے علاوہ کسی اور دھات جیسے تانبا، پیتل وغیرہ کے ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اگر سونا، چاندی کے ہیں تو یہ دیکھا جائے گا کہ ان زیورات کا بچیوں کو مالک بنا دیا گیا ہے یا نہیں، اگر مالک بنا دیا گیا ہے تو دیکھا جائے گا کہ بچیاں بالغ ہیں یا نابالغ، اگر نابالغ ہیں تو ان کی زکوٰۃ نہ والد پر ہے اور نہ بچیوں پر اور اگر وہ بالغ ہیں تو زکوٰۃ بچیوں پر لازم ہے۔ خواہ انہیں بیچ کر زکوٰۃ ادا کریں یا نقدی موجود ہو تو نقدی سے زکوٰۃ ادا کریں۔ ہاں ان کی اجازت سے ان کی طرف سے اگر والد چاہیں تو زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں۔

بیوی کا ماہوار خرچ سے بچت کر کے زیور بنوانا

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو گھر کے اخراجات کے لیے ماہانہ رقم دیتا ہے اور وہ اس رقم سے کچھ پس انداز کر کے اپنے استعمال کے لیے زیورات بنا لیتی ہے تو ان زیورات پر زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

جواب: ماہوار اخراجات کے لیے دی جانے والی رقم سے جو روپے بچائے گئے، ان کی مالک بیوی نہیں، شوہر ہے۔ لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر بچی ہوئی رقم کو زیورات پر صرف کرنا ناجائز تھا لیکن جب زیور خرید ہی لیا تو زیور کی مالک بیوی ہوگی۔ البتہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس رقم کا تاوان شوہر کو ادا کرے یا معاف کرالے۔ جب زیورات کی مالک بیوی ہے تو ان کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمہ ہے۔

ملازم کو زکوٰۃ دینا

سوال: کیا دوکان کے ملازم یا گھریلو ملازم، ملازمہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

جواب: اگر ملازم مستحق زکوٰۃ ہے تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

مستحق کو کم از کم کتنی زکوٰۃ دینی چاہیے

سوال: زکوٰۃ کی رقم ایک شخص کو کم از کم کتنی دینی چاہیے۔ کیا دو، دو، چار، چار روپے دے کر زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

جواب: زکوٰۃ دو، دو، چار، چار روپے کر کے بھی دی جاسکتی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ایک شخص کو اتنی رقم دے، جو اس دن اس کے اہل وعیال کے ضروری خرچ کے لیے کافی ہو۔

مستحق زکوٰۃ کی جانچ پڑتال

سوال: آج کل زیادہ تر لوگ بغیر کسی تحقیق وجستجو کے محض فرض ادا کرنے کے لیے ہر اس شخص کو جو زکوٰۃ مانگنے کے لیے آئے، اسے دے دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

جواب: سائل کے اصل حال کی کھوج لگانا مشکل کام ہے، زکوٰۃ دینے والا صرف اس کا پابند ہے کہ جسے وہ زکوٰۃ دے رہا ہے، اس کی نظر میں وہ غنی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر زکوٰۃ دینے والے کے غالب گمان میں یہ شخص مستحق ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

گداگروں کو زکوٰۃ دینا

سوال: رمضان المبارک میں بازاروں اور مساجد میں کچھ لوگ سوال کرتے نظر آتے ہیں، ان میں اکثریت پیشہ ور گداگروں کی ہوتی ہے، آیا انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص قوی، تندرست اور کمانے کی طاقت رکھتا ہو، پھر محنت مزدوری نہ کرے، ایسے مفت کھانا کھانے کے عادی لوگوں کا دوسروں سے سوال کرنا ناجائز ہے اور انہیں دینا بھی ناجائز ہے اور جو شخص عاجز ہو، کمانے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا محنت مزدوری کی طاقت ہے اور محنت مزدوری کرتا بھی ہے مگر اس کی آمدنی اتنی کم ہے کہ اس سے گھر کی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں، اسے بقدر ضرورت سوال کرنا جائز ہے اور ایسوں کو دینا ثواب ہے۔ عموماً سوال کرنے والے لوگ پیشہ ور گداگر ہوتے ہیں، انہیں دینا جائز نہیں، لیکن ان میں سے ایسے لوگ جنھیں دینے والا مفلس گمان کرتا ہے، دینا جائز ہے۔

دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا

سوال: کیا زکوٰۃ کی رقم دوسرے شہر والوں کو دی جاسکتی ہے؟

جواب: سال مکمل ہونے سے پہلے اگر زکوٰۃ نکالی جائے تو دوسرے شہر میں رہنے والوں کو دی جاسکتی ہے۔ البتہ تکمیل سال پر اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو اپنے شہر سے باہر والوں کو مندرجہ ذیل صورتوں میں زکوٰۃ دینا جائز ہے:

- دوسرے شہر میں اس کے عزیز رہتے ہوں۔
- وہاں کے لوگ اس شہر کے باسیوں کی نسبت زیادہ حاجت مند ہوں۔
- دوسرے شہر والوں کو زکوٰۃ دینے میں اہل اسلام کا زیادہ نفع ہو، یوں کہ وہاں مجاہدین اسلام یا دین کے طلباء رہتے ہوں۔

مدارس دینیہ پر زکوٰۃ کا صرف کرنا

سوال: لوگ دینی مدارس کو زکوٰۃ دیتے ہیں، تو زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر اور دوسری ضروریات پر صرف ہوسکتی ہے؟

جواب: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا کسی مستحق کو مالک بنایا جائے۔ مدرسہ جو کہ عمارت کا نام ہے، اسے مالک نہیں بنایا جاسکتا، کیوں کہ مالک بننا انسان کا خاصہ ہے، اس لیے زکوٰۃ کو براہ راست مدارس کی تعمیر اور دوسری ضروریات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا، مگر دینی مدارس کی بقاء ایک دینی ضرورت ہے، اس لیے اگر زکوٰۃ کی رقم کا کسی مستحق کو مالک کر دیا جائے، جو اس دینی ضرورت کو سمجھتا ہو اور مسئلہ شرعیہ سے واقف ہو، پھر وہ اپنی مرضی سے وہی رقم مدرسہ کی ضروریات کے لیے مدرسہ میں جمع کروا دے تو اس حیلہ شرعیہ کے بعد اس رقم کا تعمیر اور دوسرے مصارف پر خرچ کرنا درست ہوگا۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحق کو دینے کے بعد اسے واپس مدرسہ میں جمع کروانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور یہ حیلہ مدارس کے ساتھ خاص نہیں، تعمیر مساجد اور دوسرے دینی اور سماجی کاموں کے لیے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

حیلہ کی تعریف اور اس کی شرعی حیثیت

سوال: حیلہ کی تعریف اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ہمارے محاورہ میں حیلہ بہانے اور مکر و فریب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لیے عوام حیلۂ شرعی اور حیلۂ تملیک وغیرہ الفاظ سے اچھا تاثر نہیں لیتے۔ حالانکہ حیلہ شرعیہ ایک علمی اصطلاح ہے، جس کا ایک مخصوص معنی ہے۔ اہل علم کے ہاں حیلہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی تدبیر یا

ایسا طریقہ اختیار کرنا، جس سے آدمی ناپسندیدہ کام میں پڑنے سے بچ جائے۔ اس کی مثال میں مدارس دینیہ ہی کو لے لیجیے کہ اگر براہ راست زکوٰۃ کی رقم صرف کرو تو گناہ ہے اور مدارس دینیہ میں زکوٰۃ صرف نہ کرو تو مدارس بند ہو جائیں گے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ زکوٰۃ خرچ کریں تو خرابی، نہ خرچ کریں تو خرابی، اب خرابی سے بچنے کے لیے اگر یہ تدبیر کر لی جائے کہ زکوٰۃ کا روپیہ کسی مستحق شخص کو دے دیں، پھر وہ ہدیہ کے طور پر وہی رقم مدرسہ میں جمع کروا دے تو زکوٰۃ مستحق تک پہنچا کر فریضہ سے سبک دوشی بھی ہوئی اور مدارس کو استحکام بھی حاصل ہو گیا۔

حیلہ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کے لیے اور دینی ضرورت کے لئیے حیلہ جائز ہے اور گناہ میں پڑنے کے لیے حیلہ ناجائز ہے یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام جب ایک آزمائش میں مبتلا ہوئے اور لوگوں نے انہیں تنہا چھوڑ دیا تو صرف ان کی وفا شعار اہلیہ نے اس موقع پر ان کا ساتھ دیا اور برابر خدمت میں لگی رہیں۔ ایک بار دیر سے حاضر ہوئیں تو ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی کہ وہ انہیں سو کوڑے ماریں گے۔ رب العزت جل جلالہ نے فرمایا:

﴿و خذ بیدک ضغثاً فاضرب به و لا تحنث﴾---[ص، ۳۸:۴۴]

''سو چھڑیوں کا ایک جھاڑو بنا کر اس سے انہیں ایک بار مارے اور قسم نہ توڑیے''---

احادیث صحیحہ میں ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اقدس میں ایک لولے اور کمزور شخص نے زنا کا ارتکاب کیا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اقدس میں اس کا اعتراف بھی کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بدنی کمزوری کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ کمزور ہے، سو کوڑوں کی سزا نہیں جھیل سکے گا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باریک باریک سو شاخیں لے کر ایک ہی بار مارنے کا حکم فرمایا''---[فتاویٰ رضویہ، جلد۴، صفحہ ۴۴۶]

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سوال: کیا غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

جواب: زکوٰۃ، صدقہ فطر کافر کو دینا جائز نہیں۔ صدقات نافلہ جیسے خیرات، سوئم، برسی اور عرس وغیرہ کا کھانا مسلم وکافر سب کو دینا جائز ہے۔

زکوٰۃ کے سب سے زیادہ حق دار لوگ

سوال: زکوٰۃ کے سب سے زیادہ حق دار لوگ کون ہیں، جنہیں پہلے زکوٰۃ دی جائے؟

جواب: زکوٰۃ اور دوسرے صدقات میں سب سے زیادہ حق دار آدمی کے عزیز و رشتہ دار ہیں، پھر پڑوسی، پھر اپنے پیشے والے اور پھر اپنے شہر والے۔

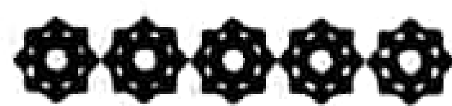
اپنے عزیزوں میں پہلے حق دار بھائی ہیں اور پھر ان کی اولاد، پھر چچا، پھوپھی، پھر ان کی اولاد، پھر ماموں، خالہ، پھر ان کی اولاد، پھر دوسرے رشتہ دار۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ نکالتے وقت لوگ اپنے عزیزوں کو بھول جاتے ہیں، حالانکہ وہی سب سے پہلے حق دار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عزیزوں کو نظر انداز کر کے غیروں کو زکوٰۃ دینے والوں کے بارے میں فرمایا:

”اے امت محمد! قسم ہے اس کی جس نے حق کے ساتھ مجھے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا، جس کے رشتہ دار اس کے سلوک کرنے کے محتاج ہوں اور یہ غیروں کو دے۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں فرمائے گا“۔

جو شخص اپنے عزیزوں کو نظر انداز نہیں کرتا، انہیں دینے کے بعد دوسروں کی بھی مدد کرتا ہے، اس کا یہ عمل درست ہے اور وہ اس وعید کا مستحق نہیں، جو حدیث شریف میں آئی ہے۔

(البتہ دینی مدارس کو زکوٰۃ دینا کئی قسم کے اجر کا باعث ہے کہ ان میں فقیر، مسکین اور فی سبیل اللہ دین حق کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے والے طلبہ شامل ہیں، جن کی امداد اہل اسلام کا دینی و ملی فریضہ اور حصول اجر کا بہترین ذریعہ ہے)



سونے کے زیورات

سرور منیر راؤ

سپریم کورٹ نے شادی بیاہ میں کھانا دینے پر جس پابندی کا اطلاق کیا ہے، اس حوالے سے مختلف الخیال لوگ الگ الگ رائے رکھتے ہیں، لیکن اب جب ملک کی اعلیٰ ترین عدالت نے فیصلہ صادر فرمادیا ہے تو ہم سب پر اس کا احترام واجب ہے۔

رائے عامہ کا ایک اہم طبقہ شادی بیاہ میں کھانے کی پابندی کے احکامات کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے شدت سے اس بات کا اظہار کررہا ہے کہ شادی بیاہ کے کھانے پر پابندی لگانے کے ساتھ ساتھ جہیز اور خاص طور پر سونے کے زیورات کی حیثیت پر بھی سپریم کورٹ کو قوم کی راہ نمائی کرنا چاہیے۔ دلہن کے لیے سونے کے زیورات بنانے پر عام آدمی کو لاکھوں روپے اور امیر کو کروڑوں روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ سونے کے یہ زیورات محض دکھاوا اور جھوٹی شان کی علامت ہیں۔ آج کے دور میں جب کہ سونے کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں اور والدین قرض لے کر سونے کے زیورات بنانے پر مجبور ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا عدالت عالیہ اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر عظیم تر قومی مفاد

میں کوئی راہ نمائی دے سکتی ہے؟ اس موضوع کے حق میں دلائل دینے والوں کا کہنا ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں سونے کا ریٹ ماضی کے تمام ریکارڈ توڑ چکا ہے۔ کراچی میں دس گرام سونے کی قیمت ۱۲۳۱۳ روپے، لاہور میں ۱۲۴۷۴ روپے، ملتان میں ۱۱۴۸۰ روپے اور حیدر آباد میں ۱۲۳۸۷ روپے ہے، جواب کسی بھی طرح عام آدمی کی پہنچ میں نہیں۔ سونا ایک قیمتی دھات ہونے کے ناطے زر مبادلہ کا اہم ذریعہ بھی ہے۔

ایک سروے کے مطابق پاکستان میں روزانہ تیس ہزار تولے 'سونے' کی کھپت ہے، جب کہ عالمی منڈی میں سونے کی تجارت کا تخمینہ ساڑھے پانچ ٹن روزانہ لگایا گیا ہے، عالمی منڈی میں اس وقت ایک اونس سونے کی قیمت ۶۵۱.۲۵ ڈالر سے زیادہ ہے۔

سونے کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کا جائزہ بھی انتہائی دل چسپ ہے۔ چودھویں صدی کے وسط تک سونے کا بھاؤ ساٹھ روپے تولہ رہا، ۱۹۷۰ء میں ۱۲۵ روپے تولہ اور پھر اس کی قیمت میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ گزشتہ صدی کے آخری سالوں میں سونے کی قیمت ایک بار پھر گری لیکن موجودہ صدی کے آغاز ہی سے سونے کی قیمت میں بہ تدریج اضافہ ہونے لگا اور اب اس کا ریٹ تمام حدیں پھلانگ گیا ہے۔ سونے کی تجارت پر نظر رکھنے والے افراد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان دنوں عالمی صورت حال اور عراقی جنگ کی وجہ سے امریکی معیشت الجھاؤ کا شکار ہے، اس لیے ڈالر کی قیمت گر گئی ہے، لوگ ڈالر کی بجائے سونے کو محفوظ سرمایہ شمار کر رہے ہیں۔

ایک تحقیق یہ بھی بتاتی ہے کہ امریکا، عراق سے حاصل ہونے والے تیل کو ڈالر کی بجائے سونے کے عوض فروخت کر رہا ہے، امریکا کے ان اقدامات کی دو وجوہ بیان کی جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ دنیا کو یہ علم نہ ہو کہ امریکا عراق سے حاصل ہونے والے تیل کی فروخت سے اب تک کتنی رقم کما چکا ہے؟ دوسری طرف امریکا سونے کے محفوظ ذخائر میں اضافہ کر رہا ہے، یہ اضافہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر مستقبل میں ڈالر کی بجائے شرح تبادلہ سونا طے پا جائے تو امریکا کے پاس وافر ذخائر موجود ہوں، دو سال پہلے ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں OIC کے سربراہ اجلاس سے ملائیشیا کے سابق صدر مہاتیر محمد (جو اس وقت ملائشیا کے صدر اور OIC کے چیئر مین تھے) نے صدارتی خطاب کے دوران بڑے پرزور انداز میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ اگر اسلامی دنیا مستقبل میں اپنے اقتدار اعلیٰ کا تحفظ اور امریکی اثرات کو ختم کرنے کی خواہش مند ہے تو تمام اسلامی ممالک

کو دنیا بھر سے تجارت کرتے ہوئے ڈالر کی بجائے سونے کو شرح تبادلہ بنانا ہوگا۔

یہ تجویز اپنی جگہ یقیناً توجہ طلب ہے، عالمی منظرنامے پر نظر رکھنے والے لوگ اس کی اہمیت سے پوری طرح آشنا ہیں اور یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ امریکا کی اقتصادی پالیسی کے ماہرین نے مہاتیر محمد کی اس بات سے لیڈ (LEAD) لیتے ہوئے پیش بندی شروع کی تا کہ 'شرح تبادلہ' کی تبدیلی کی صورت میں بھی عالمی سیاست اور معیشت پر امریکا حاوی رہ سکے۔

اس پیلی دھات 'سونے' کی تاریخی حیثیت بھی انتہائی دل چسپ ہے۔ سونا سب سے پہلے چالیس ہزار قبل مسیح اسپین کے پہاڑی علاقوں کی غاروں کی کھدائی کے دوران دریافت ہوا۔ کئی ہزار سال قبل مسیح میسوپوٹیمیا (جدید عراق اور ایران کا علاقہ) کے لوگ بھی سونے کے زیورات استعمال کرتے تھے، ایک تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح مصر کے فرعون نے بھی زیبائش کے لیے سونے کو استعمال کیا، سونے کو کرنسی یا شرح تبادلہ کے لیے پہلی بار مغربی ترکی کے علاقے کی قدیم مملکت 'LYDIA' نے سات سو سال قبل مسیح استعمال کیا، اس قدیم مملکت میں سکے بھی سونے سے بنائے جاتے تھے۔

سونے کے تجزیے سے حیران کن خصوصیات سامنے آئی ہیں، اسے دنیا کی بھاری ترین دھات شمار کیا جاتا ہے، یہ ایک اعلیٰ ترین موصل ہے، جس سے برقی رو بڑی تیزی سے گزرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سونے کو الیکٹرانک کے ساز و سامان کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کمپیوٹر، ٹیلےفون، سیلولر فون کے آلات اور بجلی کے بلبوں میں بھی سونے کی باریک تار کو استعمال میں لایا جاتا ہے، سونے کو خلائی جہازوں اور مصنوعی سیاروں کے بیرونی خول میں سورج کے تاب کاری اثرات سے محفوظ کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

طبی تحقیق کے مطابق سونا جوڑوں کے درد اور دوسری لاعلاج بیماریوں کی دواؤں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ سونے کو طب ہی نہیں بلکہ ایلوپیتھی اور آریوویدک (AYURVEDIC) کی ادویات میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن ان کی شکلیں مختلف ہیں۔ ایک تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ سونا اعصابی بیماریوں کے علاج میں بھی معاون ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر سونے کی 'ڈلی' کو رات کے وقت پانی بھرے گلاس میں رکھ دیا جائے اور صبح یہ پانی پیا جائے تو اعصابی تناؤ میں کمی واقع ہوتی ہے۔ یہ پانی انسانی چہرے کو خوب صورت اور پرکشش بھی بناتا ہے، وسطی ایشیا کی ریاستوں

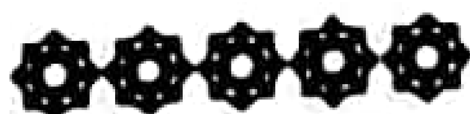
میں دنیا کے سب سے زیادہ سونے کے ذخائر ہیں، خاص طور پر کرغستان اور ازبکستان کا شمار سونا پیدا کرنے والے دنیا کے بڑے ملکوں میں ہوتا ہے، روس اپنی کانوں سے سالانہ تین سوٹن سونا حاصل کرتا ہے، روس کے علاقے سائبیریا میں بھی اب تک سونے کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔

سونے کے معیار کو ماپنے کے پیمانے کو 'کیرٹ' (CARAT) کہا جاتا ہے۔ ۲۴ کیرٹ کے سونے کو اصلی اور خالص تسلیم کیا جاتا ہے، ۲۲ کیرٹ سونے کو ۹۱.۶۷ فی صد اور ۱۸ کیرٹ سونے کو ۷۵ فی صد اصلی شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۴ کیرٹ میں ۵۸.۳ فی صد سونا ہوتا ہے، یورپی ممالک کے زیورات میں عمومی طور پر ۱۴ سے ۱۸ کیرٹ کا سونا استعمال کیا جاتا ہے، امریکا میں ۱۰ سے ۱۴ کیرٹ، جب کہ پاکستان بھارت میں روایتی طور پر ۲۲ کیرٹ کے سونے سے زیورات تیار کیے جاتے ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ہم ۲۲ کیرٹ کے بیش قیمت سونے کے زیورات آخر کیوں استعمال کرتے ہیں؟ اس قدر قیمتی سونے کو خریدنے پر کثیر سرمایہ کیوں خرچ کیا جاتا ہے اور چند دن استعمال کے بعد اسے محفوظ رکھنے کے لیے کتنے جتن کرنے اور پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ سونے کے زیورات بنانے کے عمل میں سونے کی ایک مقدار سنار کی بھٹی کی نظر ہو جاتی ہے، جس سے عظیم قومی سرمایے کا نقصان بھی ہوتا ہے۔ اگر یہی سونا حکومت کے پاس محفوظ رہے تو قومی خزانہ اور معیشت کو استحکام حاصل ہوگا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ۲۲ کیرٹ سونے کے زیورات بنانے کی بجائے یورپ اور امریکا کی طرح ۱۴ کیرٹ کا سونا استعمال کریں؟ سونے کے قیمتی زیورات چند دن پہننے کے بعد ہم انھیں بنکوں کے لاکرز میں محفوظ کر دیتے ہیں یا گھروں میں خفیہ جگہ رکھ کر مسلسل ذہنی دباؤ میں رہتے ہیں، اس طرح ہماری معاشرت میں ہر گھر ایک کثیر رقم سونے کے زیورات کی شکل میں سرمایہ منجمد کر رہا ہے، اگر یہ سرمایہ قومی ترقی کے کاموں میں لگایا جائے تو ملکی معیشت زیادہ متحرک ہو سکتی ہے۔ سونے کے زیورات سے متعلق ہماری نفسیات اور سماجی رویے میں تبدیلی ضروری ہے، اس عمل کو آگے بڑھانے میں پارلیمنٹ، عدلیہ اور میڈیا انتہائی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

وقت کا تقاضا ہے کہ سپریم کورٹ اور حکومت، شادی بیاہ کے کھانوں کی طرح اس معاملے کا جائزہ لے کر قوم کی راہ نمائی کرے۔ عام آدمی کو سونے کے زیورات کی خرید کے معاشی دباؤ سے بچانے کے لیے قومی ڈائیلاگ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس کار خیر میں میڈیا کو متحرک کرنا ضروری ہے۔



۳۷ویں اور آخری قسط

رہنمائے زکوٰۃ...... حرفِ آخر

پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری

نظام زکوٰۃ...... اللہ کا فضل و احسان

اسلام کے نظام زکوٰۃ کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔اس کے مطالعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن اور عبادت تو ہے ہی، یہ اسلام کے مالیاتی نظام کا تابناک حصہ بھی ہے، جس کا کسی دوسرے مذہب میں کوئی متبادل نہیں ہے۔ایک طرف یہ نظام معاشرے کے نادار اور حاجت مند افراد کی بحالی کا ذریعہ ہے، دوسری طرف اس کے ذریعے مال داروں کو اپنے ان مالوں میں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائے ہیں، جائز انسانی ضرورتوں میں خرچ کرنے کے لیے پورا پورا حق مل جاتا ہے اور وہ کسی شرعی پابندی اور اخلاقی روک ٹوک کے بغیر خرچ کرنے میں آزاد ہوتے ہیں۔اس تحریر میں مال خرچ کرنے کے شرعی ضابطوں سے بحث نہیں

کی جارہی، اس کی تفصیل دیگر مقامات پر دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے اس انعام اور اس کے فضل و احسان کا ذکر مقصود ہے، جو اس نے مال داروں پر فرمایا ہے۔ مثلاً کوئی مال دار آدمی ایک کروڑ روپے کی مالیت کا مالک ہے، جس کی زکوٰۃ دو لاکھ پچاس ہزار بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان یہ ہے کہ مال کا حقیقی مالک ہونے کے باوجود اس نے ایک کروڑ میں صرف اڑھائی لاکھ روپے زکوٰۃ لازم کی ہے۔ جس شخص نے اتنی سی مالیت ادا کردی، اسے بقیہ مال کے متعلق قیامت کے دن باز پرس نہیں ہوگی۔ جس کے پاس ایک لاکھ ہے، وہ پچیس سو روپے ادا کرنے کے بعد بقیہ مال کسی قدغن کے بغیر خرچ کرسکتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فریضہ زکوٰۃ مال داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے، جس کے باعث ان کا مال پاکیزہ ہو کر ان کے لیے باعث شر و تکلیف نہیں رہتا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ إِلَّا لِيُطَيِّبَ بِهَا مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ---

''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے کہ وہ اس کے ذریعے بقیہ مال کو پاکیزہ فرمادے''---[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی حقوق المال]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک اعرابی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

مَنْ كَنَزَهَا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا فَوَيْلٌ لَهُ إِنَّمَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللّٰهُ طُهْرًا لِلْأَمْوَالِ---

[بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب ما ادی زکوتہ فلیس بکنز......]

''جس نے مال جمع کیا اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی، اس کے لیے تو واقعی ہلاکت ہے۔ (مال جمع کرنے پر عذاب شدید کا حکم) زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا، جب زکوٰۃ کا حکم آگیا تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مالوں کی پاکیزگی کا ذریعہ بنادیا''---

مال کی وہ آلودگی اور برائی جس کے باعث قیامت کے دن مال دار کو مجرم ٹھہرایا جائے گا، وہ معاشرے کے نادار افراد کو ان کے اس حق سے محروم رکھنا ہے، جو اس کے مال میں موجود ہے، جس شخص نے زکوٰۃ کی شکل میں یہ حق ادا کردیا، وہ بری الذمہ ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مقدس ہے:

إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ أَذْهَبْتَ عَنْكَ شَرَّهُ---[مستدرک حاکم، جلد ۱، صفحہ ۳۹۰/ کنز العمال، رقم حدیث ۱۵۷۷۸/ السنن الکبریٰ، بیہقی، جلد ۴، صفحہ ۸۴]

''جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ دے دی تو تو نے اپنے آپ سے اس کے شر اور آلودگی کو دور کر دیا''---

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم قال : إذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ---[ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ما جاء اذا ادیت الزکوٰۃ فقد قضیت ما علیك/ابن ماجہ، ابواب الزکوٰۃ، باب ما ادی زکوته لیس بکنز]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ دے دی تو تو نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی''---

سو، زکوٰۃ کا فریضہ ایک ٹیکس یا جرمانہ سمجھ کر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان سمجھ کر خوش دلی سے ادا کرنا چاہیے تاکہ اس سے مال پاکیزہ ہو جائیں اور بقیہ مال بے خوف و خطر اپنی ضرورتوں پر خرچ کیا جا سکے۔

کیا زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں کوئی حق ہے؟

رہا یہ سوال کہ کیا مال سے متعلق زکوٰۃ کے علاوہ بھی ایسا کوئی شرعی مطالبہ باقی ہے جسے ادا کرنا ضروری ہے یا زکوٰۃ دینے کے بعد ایک مسلمان عند اللہ سرخرو ہو جاتا ہے اور مال سے متعلق اس پر مزید کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور روز محشر اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی؟ اس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

اہل علم و فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بعض واجب صدقات ہیں، جو اگرچہ زکوٰۃ کی طرح فرض نہیں، مگر انہیں پورا کیے بغیر انسان بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے بعض قرابت داروں سے متعلق ہیں۔ مثلاً: والدین جب ضرورت مند ہوں تو فراخ دست اولاد پر ان کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ، یوں ہی بعض دیگر رشتے داروں کا بوقت احتیاج نفقہ لازم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شرعی مجبور (مضطر) ہو تو ایسے بھوکے ننگے شخص کی محتاجی دور کرنا لازم ٹھہرتا ہے۔ لاوارث مردہ شخص کی تکفین و تدفین پر خرچ کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح آفات و مصائب کے وقت جب ریاست کے وسائل ناکافی ہوں یا ریاستی عہدے داروں کی طرف سے غفلت برتی جا رہی ہو تو مسلم معاشرے کی اجتماعی ضرورتوں اور آفت زدہ لوگوں کی بحالی میں خرچ کرنا ضروری قرار پاتا ہے۔

درج بالا مواقع کے علاوہ کچھ ایسے امور ہیں کہ جن کے متعلق اہل علم کی مشہور رائے یہ ہے کہ ان مواقع پر خرچ کرنا فرض کے درجے میں نہیں ہے، جب کہ زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو۔ یعنی زکوٰۃ دینے کے بعد مزید نہ خرچ کرنے سے انسان عند اللہ مستحق عذاب نہیں ہوگا۔ مثلاً سائل کی ضرورت پوری کرنا جب کہ وہ مجبور و مضطر نہ ہو یا فصلوں کی کٹائی کے وقت عشر کے علاوہ اناج دینا، کسی مسافر مہمان کی مہمان نوازی کرنا اور فقراء کی مدد کرنا وغیرہ۔

یہ امر کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد انسان پر کوئی اور مالی حق عائد نہیں ہوتا سوائے نفلی صدقات کے، اس حدیث سے واضح ہوتا ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ:

هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟---

''آیا زکوٰۃ کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی مالی فریضہ عائد ہوتا ہے''---

تو فرمایا:

لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ---

''نہیں، سوائے اس کے کہ تم بطور نفل اپنی مرضی سے کچھ دینا چاہو''---

مزید یہ کہ جب سوال کرنے والے نے یہ کہا:

وَ اللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَ لَا أَنْقُصُ مِنْهُ---

''اللہ کی قسم میں اس پر نہ اضافہ کروں گا اور نہ کمی کروں گا''---

تو رسول اللہ ﷺ نے رضامندی ظاہر کرتے فرماتے ہوئے فرمایا:

أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ---

''اگر اس نے سچ کہا ہے تو نجات پا گیا''---

اب یہ پوری حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نجد کا ایک شخص حاضر ہوا، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، ہمیں اس کی آواز تو سنائی دیتی تھی مگر سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیا کہتا ہے۔ وہ آگے بڑھا حتیٰ کہ آپ ﷺ کے قریب آ گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں دریافت کیا، تو فرمایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ عرض کیا کہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ فرمایا کہ نہیں، سوائے اس کے کہ تم نفلی نماز پڑھو۔ پھر رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ رمضان کے روزے رکھنا فرض ہیں۔ وہ عرض گزار ہوا:

کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے؟ فرمایا: نہیں مگر جو تم بطور نفل رکھو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ وہ عرض کرنے لگا:

کیا اس کے سوا بھی مجھ پر کچھ لازم ہے؟ فرمایا: نہیں سوائے اس کے کہ تم نفلی طور پر صدقہ دو۔

اس کے بعد وہ آدمی یہ کہتے ہوئے پلٹ کر چل دیا: خدا کی قسم، نہ میں اس پر اضافہ کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ حضور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ نجات پا گیا۔

[بخاری، کتاب الایمان، باب الزکوٰۃ من الاسلام ...... / مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الصلوات التی ھی احد ارکان الاسلام]

یہی مضمون ایک اور حدیث پاک میں بھی ہے، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کسی ایسے عمل کی نشان دہی فرمائیں کہ جب میں اسے بجا لاؤں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، فرض نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ وہ بولا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا أَزِیْدُ عَلٰی ھٰذَا شَیْئًا أَبَدًا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْہُ---

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس پر میں نہ تو کبھی کچھ اضافہ کروں گا اور نہ اس میں کوئی کمی کروں گا''---

پس جب وہ پلٹا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّہٗ أَنْ یَّنْظُرَ إِلٰی رَجُلٍ مِنْ أَھْلِ الْجَنَّۃِ، فَلْیَنْظُرْ إِلٰی ھٰذَا---

''جسے یہ پسند ہو کہ وہ جنتی شخص کو دیکھے تو اس شخص کو دیکھ لے''---

[مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان الذی یدخل بہ الجنۃ و ان من تمسک بما امر بہ دخل الجنۃ]

فرض زکوٰۃ پر مزید کچھ اضافہ لازم نہ ہونے کا مضمون ایک اور حدیث پاک میں اس طرح ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری خواہش ہوتی تھی کہ ہماری موجودگی میں کوئی سمجھ دار اعرابی آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال کرے (تا کہ اس سے ہمارے علم میں

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰـنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰـنَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى لَـهٗ

اضافہ ہو جائے) چنانچہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی حاضر بارگاہ ہوا اور حضور ﷺ کا ہاتھ مبارک تھام کر پوچھا۔(اس نے کئی سوال کیے جن میں سے ایک یہ تھا):

فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا فِي أَمْوَالِنَا الزَّكَاةَ ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَدَقَ---

"آپ کے قاصد نے ہمیں بتایا ہے کہ آپ کا ارشاد ہے کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ فرض ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے"---

آخر میں اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

وَ الَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَدَعُ مِنْهُنَّ شَيْئاً وَ لَا أُجَاوِزُهُنَّ---

"اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، اس میں سے میں نہ کچھ کم کروں گا اور نہ اس میں اضافہ کروں گا"---

حضور ﷺ نے فرمایا:

إِنْ صَدَقَ الْأَعْرَابِيُّ دَخَلَ الْجَنَّةَ---

"اگر اعرابی نے سچ کہا ہے تو جنت میں داخل ہو گیا"---

[مسلم، کتاب الایمان، باب السوال عن ارکان الاسلام/ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ما جاء اذا ادیت الزکوٰۃ فقد قضیت ما علیك]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع کے کتاب الزکوٰۃ میں یہ باب قائم فرمایا ہے:

ما جاء اذا ادیت الزکوٰۃ فقد قضیت ما علیك---

یعنی تم نے زکوٰۃ ادا کر دی تو تم نے اپنے اوپر عائد ہونے والے حق کو پورا کر دیا---

اس میں درج بالا حدیث پاک کے علاوہ وہ حدیث بھی درج کی ہے، جو اسی مضمون میں اوپر باحوالہ بیان کی گئی ہے۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ فرض زکوٰۃ کے بعد انسان پر مالی اعتبار سے کوئی چیز لازم نہیں رہتی۔ البتہ، ایک حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد انسان بری الذمہ نہیں ہو جاتا بلکہ اس پر مزید مالی حق موجود رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے

سوال کیا یا کسی اور نے رسول اللہ ﷺ سے زکوٰۃ کے متعلق پوچھا تو فرمایا:

إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ---

''بے شک مال میں سوائے زکوٰۃ کے اور بھی حق ہے''---

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ ...... اَلْآيَةَ---[البقرۃ:۱۷۷]

[ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ما جاء ان فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک کی تائید و توثیق کے لیے جس آیت کریمہ تلاوت فرمائی اس میں حقیقی نیکی اور اصل بھلائی کے کاموں کا ذکر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں کو دینے نیز سوال کرنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے پر مال خرچ کرنے اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کو اصل نیکی شمار فرمایا ہے۔ رشتے داروں اور دیگر پر خرچ کرنے کے بعد دوبارہ نماز اور زکوٰۃ کا ذکر اس طرف نشان دہی کرتا ہے کہ رشتے داروں وغیرہ پر خرچ کرنا فرض زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اکثر اہل علم کے ہاں زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد انسان پر ایسی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی جو فرض و واجب کے درجے میں ہو اور جس سے غفلت و کوتاہی اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ اور جرم شمار ہو کر باعث عذاب ہو اور قیامت کے دن رسوائی کا سبب قرار پائے۔ ہاں، نفلی صدقات کی فضیلت قرآن و سنت سے واضح ہے، جس پر عمل پیرا ہونا شریعت میں مطلوب و مقصود اور قابل تحسین ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس والی روایت اور اوپر بیان کی گئی آیت کریمہ میں زکوٰۃ کے علاوہ جس حق کا ذکر ہے، وہ بطور نفل اور مستحب مذکور ہے۔ لیکن جب شدید ضرورت ہو تو زکوٰۃ کے علاوہ بھی لازم ٹھہرتا ہے۔

باہمی حقوق کے تقاضوں سے غفلت جرم ہے

اس علمی و فقہی بحث سے قطع نظر اسلامی معاشرے کے باہمی حقوق کا تقاضا یہ ہے کہ مال دار زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد معاشرے کے مفلس و نادار افراد کی بہبود و آبادکاری اور اجتماعی کفالت سے غافل نہ ہوں۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے قانونی طور پر مزید کسی ذمہ داری سے انسان سبک دوش ہو سکتا ہے لیکن اخوت اسلامی کے تقاضوں کی تکمیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے دینی بھائیوں کو بھوکا ننگا دیکھ کر آنکھیں پھیر لے، یہ کہتے ہوئے کہ

میں زکوٰۃ ادا کر چکا ہوں، حالانکہ وہ اس کی مشکل دور کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ ایسا آدمی سچا مسلمان کیسے ہو سکتا ہے، جو آفات و مصائب میں گھرے ہوئے لوگوں کو دیکھے، پھر ان کی حاجات پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال پر سانپ بن کر بیٹھا رہے کہ وہ زکوٰۃ دے کر قانوناً اپنے ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو چکا ہے۔ تڑپتے ہوئے مریضوں کو دیکھ کر ان کی جان بچانے کی فکر نہ کرنا اور مال و دولت کے ہوتے ہوئے بخل کرنا، اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی کا باعث ہے، خواہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو۔ اخوت اسلامی کا تقاضا تو یہ ہے کہ دو کا کھانا ہے تو اس میں تیسرے کو شامل کر لیا جائے، تین کا ہے تو چوتھے کو شامل کیا جائے۔ ابتدائے اسلام میں چوں کہ تنگی اور مفلسی کا زمانہ تھا، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخوت کے اسی تقاضے پر عمل پیرا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

اصحاب صفہ فقراء تھے، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہے، وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہے وہ پانچویں یا چھٹے کو لے جائے۔ [مسند احمد، جلد ۱، صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ ایک سفر میں تھے کہ ایک آدمی اپنی اونٹنی پر آیا اور اسے دائیں بائیں گھمانے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ کَانَ عِنْدَہٗ فَضْلُ ظَھْرٍ فَلْیَعُدْ بِہٖ عَلٰی مَنْ لَا ظَھْرَ لَہٗ وَمَنْ کَانَ عِنْدَہٗ فَضْلُ زَادٍ فَلْیَعُدْ بِہٖ عَلٰی مَنْ لَا زَادَ لَہٗ، حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ لَا حَقَّ لِاَحَدٍ مِنَّا فِی الْفَضْلِ---[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی حقوق المال]

"جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد سواری ہو، اسے چاہیے کہ اس پر اس کو سوار کرا دے جس کے پاس سواری نہ ہو، جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد سفر خرچ ہو، وہ اس کو دے جس کے پاس سفر خرچ نہ ہو (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح اور بھی مال کی اقسام ذکر فرمائیں) یہاں تک کہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کا اس کے زائد مال میں کوئی حصہ نہیں ہے"---

مال داری کسی اکیلے انسان کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ درحقیقت اس کے پیچھے مختلف انسانوں کی فکری اور عملی کوششیں کارفرما ہوتی ہیں۔ بعض کی جدوجہد دکھائی دیتی ہے اور بعض کی کاوش دکھائی

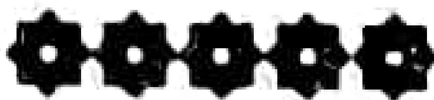
نہیں دیتی۔ایک کارخانہ دار مزدوروں، کاری گروں، مینجمنٹ کی صلاحیت اور مارکیٹنگ کا تجربہ رکھنے والے افراد اور بازار کے تاجروں کی معاونت سے ہی کارخانہ رواں رکھ سکتا ہے، لہٰذا کارخانہ دار کی مال داری ان سب لوگوں کی مجموعی کوششوں کا سبب قرار پاتی ہے۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے سمجھنا چاہیے کہ ہر مال دار کو دولت مند بنانے میں معاشرے کے مختلف افراد کا حصہ ہوتا ہے۔پس جب کوئی مال دار انسان معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے خرچ کرتا ہے تو درحقیقت وہ ان کوششوں کا اعتراف کرتا ہے جو افراد معاشرہ اس کی مال داری کے لیے کر چکے ہوتے ہیں۔جو شخص اپنے بھائی بندوں کی صلاحیتوں اور خدمات سے فائدہ اٹھا کر مال میں اضافہ تو کرلے مگر اپنے بھائیوں کی کلفتوں اور رنج والم میں حصہ دار نہ بنے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ نہ کرے، وہ درحقیقت معاشرے کا مجرم ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے کوئی شخص معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی ضرورتیں پوری کیے بغیر ایمان و اسلام کی حقیقی منزل کو نہیں پا سکتا۔لہٰذا مال داروں پر لازم ہے کہ معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کو نظر انداز نہ کریں اور نہ صرف زکوٰۃ بلکہ نفلی صدقات اور بوقت ضرورت اس سے بھی بڑھ کر فراخ دلی سے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا اپنا فرض سمجھیں۔یہی وہ عمل ہے جو ان کے دیگر اعمال صالحہ کو باوزن اور مقبول بارگاہ بنا دے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہجرت کے متعلق دریافت کرنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک مشکل کام ہے۔ پھر فرمایا: یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ عرض کیا کہ ہاں۔فرمایا: کیا ان سے صدقہ کرتے ہو؟ عرض کیا کہ ہاں کرتا ہوں۔فرمایا: کیا ان کا دودھ خیرات کرتے ہو؟ عرض گزار ہوئے کہ جی ہاں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹوں کو پانی پلانے کے دن بھی ان کا دودھ نکال کر بانٹتے ہو؟ عرض کیا: ہاں، یہ بھی کرتا ہوں۔فرمایا کہ خواہ سمندر کے اس پار جا کر رہو اور عمل کیے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں میں سے کچھ بھی کمی نہیں فرمائے گا۔

[بخاری، کتاب المناقب، باب ھجرۃ النبی ﷺ و اصحابه فی المدینة]



رہنمائے زکوٰۃ

پینتیسویں قسط

زکوٰۃ (صدقۃ) الفطر کے احکام ومسائل

پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری

صدقہ فطر کا مفہوم

صدقۃ الفطر زکوٰۃ کی ایک قسم ہے، جو رمضان المبارک کے مکمل ہونے پر لازم آتی ہے۔ اسے عام بول چال میں فطرانہ بھی کہا جاتا ہے۔ چوں کہ زکوٰۃ کی طرح یہ ایک مالی عبادت ہے، اس لیے زکوٰۃ کے ساتھ اس کی بہت قریبی اور گہری مناسبت پائی جاتی ہے۔ اسی لیے مجموعہ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں اسے زکوٰۃ کے ساتھ ہی بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن رمضان کے ختم ہونے پر واجب ہونے کی وجہ سے روزوں کے ساتھ بھی اس کا ذکر گہری مناسبت رکھتا ہے۔ زکوٰۃ ہونے کے باوجود اسے عام طور پر صدقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ صدقہ اس عطیے کو کہتے ہیں جسے ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کی جاتی ہے اور اس سے ادا کنندہ کے دل کی سچائی اور صدق کا اظہار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فطرانہ ادا کرتے ہوئے بھی ثواب کی طلب اور رضائے الٰہی کا سچا جذبہ موجود ہوتا ہے۔

احادیث میں صدقہ فطر کے کئی اور نام بھی مذکور ہیں۔ مثلاً: زکوٰۃ الفطر، زکوٰۃ رمضان، زکوٰۃ صوم، صدقۃ الصوم، صدقۃ رمضان، صدقۃ الرأس (سر کا صدقہ)، زکوٰۃ الابدان (جسموں کا صدقہ) اور فطرہ۔

صدقۃ الفطر، سنہ۲ ہجری میں واجب ولازم ہوا۔ حضور ﷺ نے رمضان المبارک کے اخیر میں عید الفطر سے دو دن پہلے خطبہ دیتے ہوئے صدقہ فطر نکالنے کا حکم فرمایا۔ اسی سال بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کو قبلہ قرار دیا گیا اور اسی سال شعبان المعظم میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ تب تک مالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔

[البحر الرائق، جلد۲، صفحہ۲۵۱/ رد المحتار، جلد۲، صفحہ۷۸]

زکوٰۃ الفطر واجب ہے

صدقہ فطر واجب وضروری ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ نے اسے لوگوں پر لازم قرار دیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اور حکم دیا:

أَدُّوا صَاعًا مِنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ وَ عَبْدٍ وَّ صَغِيرٍ وَ کَبِيرٍ---

"گندم میں سے دو کی جانب سے ایک صاع (اجناس ناپنے کا آلہ، جس کا وزن تقریباً چار کلو گرام اور ایک سو گرام ہے) یا کھجور یا جو کا ایک صاع، ہر آزاد، غلام، چھوٹے یا بڑے کی طرف سے ادا کردو"---[رد المحتار، جلد۲، صفحہ۷۸]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَ الْحُرِّ وَ الذَّكَرِ وَ الْأُنْثٰى وَ الصَّغِيرِ وَ الْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَ أَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ---[بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب فرض صدقۃ الفطر....../ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الفطر علی المسلمین من التمر و الشعیر / ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب کم یؤدی فی صدقۃ الفطر / نسائی، کتاب الزکوٰۃ، باب فرض زکوٰۃ رمضان علی المسلین دون المعاھدین / ابن ماجہ، ابواب الزکوٰۃ، باب صدقۃ الفطر]

"رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں،

خواہ غلام ہوں یا آزاد، سب پر صدقہ فطر فرض فرمایا جو کہ ایک صاع کھجوروں سے یا ایک صاع جو سے ہو۔ اس کے متعلق یہ حکم بھی فرمایا کہ اسے لوگوں کے عید کی طرف نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے"---

یہ احادیث واضح حکم کا درجہ رکھتی ہیں کہ صدقہ فطر واجب وضروری ہے۔ اسی لیے امت کے اہل علم کا اس کے وجوب پر اتفاق واجماع ہے۔

ابن المنذر کا قول ہے کہ میرے علم کے مطابق تمام اہل علم کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہے اور اسحاق نے فرمایا کہ اس پر گویا اہل علم کا اجماع ہے۔ [الفقہ الاسلامی و ادلتہ، جلد۲، صفحہ۹۰۲]

صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے روزہ رکھنا شرط نہیں ہے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا، مثلاً سفر، مرض یا بڑھاپے کے عذر کے باعث، خواہ معاذ اللہ بغیر عذر ہی روزہ چھوڑے رکھا، تو بھی صدقہ فطر لازم آئے گا۔ [بدائع الصنائع، جلد۲، صفحہ۷۰]

صدقۂ فطر کی حکمت و فائدہ

صدقہ فطر کے واجب ہونے میں کیا حکمتیں اور فوائد ہیں؟ یہ روایت اس پر خوب روشنی ڈالتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ---

[ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الفطر/ ابن ماجہ، ابواب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر]

"رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کو اس لیے فرض قرار دیا تا کہ روزہ دار بے ہودہ اور فحش باتوں یا کاموں (جو اس سے دوران روزہ سرزد ہوں) کے گناہ سے پاک ہو جائے اور اس سے مسکینوں اور غریبوں کو کھانا میسر آ جائے"---

اس حدیث میں صدقہ فطر کے دو مقصد بیان ہوئے ہیں، ایک کا تعلق روزہ دار سے اور دوسرے کا تعلق اسلامی معاشرے کے تنگ دست اور غریب لوگوں سے ہے۔ روزہ دار سے صدقہ فطر کے تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ اگر دوران روزہ، روزے دار سے کوئی ایسی بات سرزد ہو گئی جو روزے کے مقاصد کے خلاف ہو تو صدقہ فطر اس کا ازالہ کر دے گا۔ درحقیقت کامل روزہ وہ ہے جس میں روزہ دار کے تمام اعضاء، زبان، ہاتھ، کان اور آنکھیں ہر قسم کی نافرمانی کے کاموں سے رکے رہیں۔ چوں کہ ہر انسان کا اس قسم کی کوتاہیوں سے بچنا ممکن نہیں ہے، اس لیے اس قسم کے

نقص کو زائل کرنے کے لیے صدقہ فطر لازم قرار دیا گیا۔ صدقہ فطر کی حیثیت وہی ہے جو فرض نمازوں کے ساتھ سنتوں اور نوافل کی ہے، کہ سنتوں اور نفلوں سے فرائض میں ہونے والی کمی کوتاہی کو پورا کیا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ:

''بندۂ مومن سے قیامت کے دن سب سے پہلے فرض نمازوں کا حساب لیا جائے گا، اگر یہ پوری ہوئیں تو ٹھیک، ورنہ کہا جائے گا کہ اس کی نفل نمازیں دیکھو، اگر اس کے اعمال میں نفل نمازیں ہوں گی تو اس سے اس کمی کو پورا کیا جائے گا''---

[ابن ماجہ، ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی اوّل ما یحاسب بہ العبد الصلوٰۃ]

حضرت وکیع بن جراح تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زکوٰۃ الفطر کی روزوں کے ساتھ نسبت ایسی ہی ہے جیسی کہ سجدہ سہو کی نماز کے ساتھ۔ سجدہ سہو نماز میں ہونے والے نقص کو زائل کرنے کا ذریعہ ہے، اسی طرح فطرہ روزوں میں ہونے والے نقائص اور عیوب کو ختم کر دیتا ہے۔

[الفقہ الاسلامی و ادلتہ، جلد۲، صفحہ۹۰۲]

درج بالا حدیث پاک میں صدقہ فطر کی دوسری حکمت کا تعلق اسلامی معاشرے کے نادار اور محتاج لوگوں سے ہے۔ یعنی اس کے ذریعے انہیں خورونوش میسر آ جائے گا۔ چوں کہ رمضان کے روزوں کی کامیاب تکمیل پر ہر مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ عید الفطر کی خوشیوں میں شامل ہو۔ یہ ایک جائز اور فطری خواہش ہے، اس امتیاز کے بغیر کہ کوئی دولت مند ہے یا فقیر و محتاج، کیوں کہ عید کا دن عام خوشی اور مسرت کا دن ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ اسلامی معاشرے کے مال داروں پر یہ ذمہ داری عائد کی جائے کہ وہ اپنے غریب اور مفلس بھائیوں پر خرچ کر کے انہیں اس قابل بنا دیں کہ وہ عید الفطر کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں اور کم از کم اس خوشی کے دن انہیں سوال کرنے کی ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

أَغْنُوهُمْ فِي هٰذَا الْيَوْمِ عَنِ الْمَسْئَلَةِ---[البحر الرائق، جلد۲، صفحہ۲۵۲]

''آج کے دن ان تنگ دستوں کو سوال کرنے کی محتاجی سے بے نیاز کر دو''---

فطرہ کس شخص پر واجب ہے؟

صدقہ فطر ہر مسلمان آزاد مرد و عورت پر واجب ہے، جس کے پاس اس کی اصلی اور حقیقی ضرورتوں سے زائد اتنا مال موجود ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ (تقریباً ۶۱۲ گرام) چاندی کی مالیت کے برابر یا اس سے زائد ہو۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

لَا صَدَقَةَ اِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى ---[بخاری، کتاب الوصایا، باب تاویل قول اللّٰه تعالٰی من بعد وصیه یوصون بها او دَین……]

یعنی صدقہ واجب نہیں ہے مگر مال داری کی حالت میں۔

شرعی طور پر مال دار وہ شخص ہے جو مال کی اتنی مقدار کا مالک ہو جس پر زکوٰۃ لازم آتی ہے، یعنی ۶۱۲ گرام چاندی یا اس کی مالیت۔ احادیث مبارکہ میں بار بار صدقہ فطر کو زکوٰۃ کہا گیا ہے، لہٰذا جو نصاب زکوٰۃ کے لیے ہے، وہی صدقہ فطر کے لیے بھی ہے۔ البتہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب میں یہ شرط ہے کہ وہ ایسا مال ہو جس میں اضافہ اور بڑھوتی ممکن ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے، لیکن صدقہ فطر اور قربانی واجب ہونے میں یہ شرائط نہیں ہیں۔ اس طرح صدقہ فطر لازم ہونے میں وسعت پائی جاتی ہے اور معاشرے کے بعض ان افراد پر بھی لازم ہے جن پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

صدقۂ فطر کن افراد کی طرف سے ادا کرنا لازم ہے؟

صاحب نصاب اپنی جان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔ مزید یہ کہ اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی دے، کیوں کہ وہ ان کا متولی اور سرپرست (guardian) ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر واجب ہونے کا سبب گھر کے وہ افراد ہیں جن پر انسان کو کامل ولایت (اختیار و سرپرستی) حاصل ہوتی ہے، ان کا خرچ اس کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ اس کے تابع اور ملحق شمار کیے جاتے ہیں، جب وہ اور یہ ایک ہی ہیں تو اس پر لازم ہے کہ اپنی طرف سے صدقہ دینے کے ساتھ ان افراد کی طرف سے بھی دے جو اس کی ذات کی طرح ہیں۔ صدقہ فطر زکوٰۃ الرؤس یعنی سروں یا اشخاص کی زکوٰۃ کہلاتا ہے، کیوں کہ اسلامی معاشرے کے وہ تمام افراد جو یا تو خود نصاب کے مالک ہوں یا اپنی گزر بسر کے لیے صاحب نصاب کے ماتحت ہوں، جیسے نابالغ اولاد یا مستقل خادم و نوکر، ان سب کی طرف سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا۔ البتہ بیوی کا شوہر پر، بالغ اولاد کا باپ پر اور ماں باپ کا بیٹے پر فطرہ لازم نہیں۔ اسی طرح اپنے چھوٹے بہن بھائیوں اور قریب یا دور کے دیگر رشتہ داروں کی طرف سے ادا کرنا لازم نہیں، اگر چہ وہ اس کے خرچ پر اس کے ہمراہ رہتے بستے ہوں۔ کیوں کہ انہیں ان افراد پر کامل ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ یوں ہی اگر بیوی کی پہلے شوہر سے بالغ اولاد ہو تو اس کی طرف سے ادا کرنا بھی ضروری نہیں، خواہ وہ اس کی کفالت میں ہوں۔ البتہ والدین، بالغ اولاد اور بیوی کی جانب سے ان کی اجازت یا اجازت کے بغیر صدقہ فطر ادا کر دیا جائے

تو یہ درست ہے، کیوں کہ عام طور پر اس کی اجازت موجود ہوتی ہے۔ مجنون یا نابالغ اولاد اگر صاحب نصاب ہے تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے، جو کہ اس کا ولی و سرپرست ادا کرے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی بچہ اپنے دادا کی سرپرستی میں ہو اور اس کا والد وفات پا گیا ہو تو دادا پر اس کا فطرہ ادا کرنا لازم ہے۔ [بدائع الصنائع، جلد۲، صفحہ۷۲]

فطرہ کب لازم آتا ہے؟

عید الفطر کے دن صبح صادق کے ساتھ ہی صدقہ فطر لازم ہو جاتا ہے، اس سے پہلے واجب نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی آدمی چاند رات کو مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا تو اس پر لازم ہو جائے گا۔ جو شخص صبح صادق سے پہلے چاند رات کو فوت ہوا، اس پر لازم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ جو شخص عید کے دن کی صبح کے بعد مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا، اس کا فطرہ بھی لازم نہیں ہے۔

صدقۂ فطر کی اجناس اور ان کی مقداریں

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں مختلف اجناس سے صدقہ فطر ادا کیا جاتا تھا۔ اس وقت کرنسی کا عام رواج نہ ہونے کے باعث جو اجناس لوگوں کی دسترس میں تھیں، ان سے ہی اشیاءِ ضرورت کا تبادلہ اور خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اس لیے سہولت کی خاطر اجناس میں سے صدقہ فطر کی مقداریں مقرر کر دی گئیں۔ چناں چہ چار چیزیں: کھجور، جو، کشمش اور پنیر عام لوگوں کی خوراک تھیں اور ہر جگہ دستیاب ہونے کے باعث صدقہ فطر کے لیے مقرر کی گئیں۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک صاع مقرر کیا گیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نُخْرِجُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ وَكَانَ طَعَامَنَا الشَّعِيرُ وَالزَّبِيبُ وَالْأَقِطُ وَالتَّمْرُ---

[صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ قبل العید]

''ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں عید الفطر کے دن کھانے کا ایک صاع نکالا کرتے تھے، حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ اس زمانے میں ہماری خوراک جو، کشمش، پنیر اور کھجوریں ہوا کرتی تھیں''---

سرزمین عرب میں کاشت نہ ہونے کی وجہ سے گندم کم دستیاب اور مہنگی تھی، اس لیے عام لوگوں کی خوراک نہ تھی، چناں چہ اس میں سے نصف صاع صدقہ فطر مقرر ہوا۔ لیکن اس کا عام رواج نہ تھا،

اس لیے غالباً تمام لوگ اس کی مقدار سے آگاہ نہ تھے۔ اسی لیے حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی روایات میں گندم کا واضح ذکر نہیں ملتا۔ بعد کے زمانوں میں جب گندم عام ہوگئی اور اس میں سے فطرہ نکالنے کا رواج ہوگیا تو اس کی وضاحت کر دی گئی کہ گندم میں سے فطرہ کی مقدار نصف صاع ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا صدقہ فطر کی مقدار گندم یا اس کے آٹے، دلیے یا ستو میں سے نصف صاع اور کھجور، جو، کشمش اور پنیر میں سے ایک صاع ہے۔ صاع، جنس ناپنے کا ایک پیمانہ ہے، جس میں چار کلو گرام اور ایک سو گرام جنس آتی ہے۔ صاع کی مزید تقسیم مد سے کی جاتی ہے اور چار مد کا ایک صاع بنتا ہے۔ ہمارے ان علاقوں میں عام طور پر گندم کے حساب سے صدقہ فطر دیا جاتا ہے، جو کہ دو مد یا نصف صاع یعنی دو کلو پچاس گرام ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ پونے دو کلو گرام گندم ادا کی جائے [●] نصف صاع گندم کا ذکر درج ذیل احادیث و روایات میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ یا ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صعیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا:

[●]......احادیث اور فقہ کی کتابوں میں صدقہ فطر کی بحث کے ضمن میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ صاع کی مقدار کیا ہے اور یہ کہ کس علاقے کا صاع مراد ہے، جس سے صدقہ فطر ادا کیا جائے؟ ان طویل مباحث کی یہاں گنجائش ہے، نہ ضرورت۔ البتہ، اس بحث سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ہمارے اکابر اہل علم، دینی و فقہی مسائل کے حل کے لیے کس قدر تحقیق و تجسس کیا کرتے تھے۔

''امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بن ولید القرشی جو کہ ایک ثقہ راوی ہیں، سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حج سے واپسی پر ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے علم کا دروازہ کھول دوں (اور مسئلے کی نوعیت واضح کر دوں) جس نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ میں نے اس کے متعلق تحقیق اور چھان بین کی ہے۔ چناں چہ میں مدینہ منورہ گیا اور صاع کے بارے میں پوچھ گچھ کی (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کون سا صاع استعمال ہوتا تھا) لوگوں نے بتایا کہ ہمارا صاع وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع مبارک تھا۔ میں نے پوچھا، تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ صاع وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا؟ وہ کہنے لگے کہ ہم کل آپ کے پاس دلیل لا کر پیش کر دیں گے۔ جب اگلی صبح ہوئی تو میرے پاس پچاس بوڑھے آدمیوں کو لے کر آئے جو کہ انصار اور مہاجرین صحابہ کرام کے فرزند تھے۔ ان میں سے ہر شخص کے پاس ایک صاع تھا، جو اس نے اپنی چادر کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ ان میں سے ہر آدمی اپنے والد مکرم اور گھر والوں کا حوالہ دے کر بتاتا تھا (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں یہی صاع رائج تھا)۔ میں نے دیکھا کہ تمام صاع ایک ہی وزن کے تھے.....'' ---[فتح القدیر، جلد۲، صفحہ۲۳۰]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ اثْنَيْنِ---

[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من روی نصف صاع من قمح]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقۃ الفطر ایک صاع گندم دو افراد کی جانب سے ہے''---

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رمضان کے آخر میں بصرہ کے منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا اور فرمایا:

اپنے روزوں کا صدقہ دو، لیکن لوگ کچھ نہ سمجھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پس آپ نے فرمایا کہ کیا یہاں اہل مدینہ میں سے کوئی موجود ہے؟ وہ اٹھے اور اپنے بھائیوں کو بتائے، کیوں کہ وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ صدقہ ایک صاع کھجور یا جو یا نصف صاع گندم مقرر فرمایا ہے، ہر آزاد، غلام، مرد وعورت اور بچے اور بڑے پر۔ جب حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ اب خوش حالی آ گئی ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت عطا فرمادی ہے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ اب تم بھی ہر جنس میں سے ایک صاع ادا کیا کرو۔

[ابوداؤد، حوالہ مذکورہ/نسائی، کتاب الزکوٰۃ، باب مکیلۃ زکوٰۃ الفطر]

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد، اپنے داداجان سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ، صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ---

[ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی صدقۃ الفطر]

''نبی اکرم ﷺ نے مکہ کے گلی کوچوں میں یہ اعلان کروایا کہ صدقہ فطر ہر مرد وعورت، چھوٹے بڑے مسلمان پر فرض ہے، جس کی مقدار گندم کے دو مد (نصف صاع) اور کھانے کا ایک صاع ہے''---

امام ابومنصور ماتریدی نے فرمایا کہ دس صحابہ کرام نے، جن میں چاروں خلفاء راشدین بھی شامل ہیں، نے رسول اللہ ﷺ سے صدقہ فطر میں گندم کا نصف صاع روایت کیا ہے۔

[بدائع الصنائع، جلد۲، صفحہ۷۲]

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے آثار (قول وعمل) سے متعلق نصف صاع کی روایات ملاحظہ ہوں:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں

زکوٰۃ الفطر میں گندم کے دو مد دیا کرتے تھے۔[الطحاوی، شرح معانی الآثار، جلد۲، صفحہ۳۴]

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے گندم کا نصف صاع ہی لازم فرمایا، لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بطور نفلی صدقہ کے، نصف صاع کی بجائے پورا صاع ادا کیا کرتے تھے اور ایسا کرنا جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود بھی بطور واجب نصف صاع ہی سمجھتے تھے جیسا کہ حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ ایک بار مروان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے غلام کا فطرہ بھیج دیں۔ اس پر انہوں نے قاصد سے فرمایا کہ اصل میں مروان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم پر بس یہی لازم ہے کہ عیدالفطر کے دن ہر فرد کی جانب سے ایک صاع کھجور یا نصف صاع گندم ادا کیا کریں۔[حوالہ مذکورہ]

ابوقلابہ سے روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گندم کے دو مد (نصف صاع) فطرہ دیا اور ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں دو کی جانب سے ایک صاع پیش کیا۔[ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ، سکھر، جلد۲، صفحہ۲۲۸]

امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے خطبے میں فرمایا، گندم کے دو مد صدقہ فطر ادا کرو۔[حوالہ مذکورہ]

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جس کی کفالت تمہارے ذمے ہے، اس پر نصف صاع گندم یا ایک صاع جو بطور صدقہ فطر واجب ہے۔[حوالہ مذکورہ]

احادیث اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ان ارشادات اور عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گندم سے صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع ہی مقرر تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت اہل عرب کی عام خوراک میں گندم شامل نہ ہونے کی وجہ سے ہر کوئی اس پر عمل پیرا نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جو احادیث صدقہ فطر کے بیان میں شہرت کی حامل ہیں، ان میں گندم کا واضح ذکر نہیں ہے۔ بعد میں جب شام کے زرخیز علاقے اسلامی سلطنت میں داخل ہو گئے تو وہاں سے سلطنت کے دیگر علاقوں میں گندم پہنچنے لگی اور عام لوگوں کی خوراک کا حصہ بن گئی۔ اس سے صدقہ فطر نکالنے کا رواج بھی عام ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ میں آئے تو منبر پر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ شام کی گندم کے دو مد (نصف صاع) یہاں کی ایک صاع کھجور کے برابر ہیں۔ ممکن ہے اس وقت تک حضرت معاویہ کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ گندم سے فطرے کی مقدار کتنی ہے، اس لیے آپ نے نصف صاع گندم کو ایک صاع کھجور پر قیاس کیا، کیوں کہ دونوں کی قیمت برابر تھی یا حضرت معاویہ کو معلوم تھا کہ گندم میں سے فطرے کی مقدار

نصف صاع ہے، آپ نے اس کے مقابلے میں کھجور کے ایک صاع کو بیان کیا تا کہ لوگ اس کی حکمت سے آگاہ ہو سکیں کہ فطرے میں گندم کی مقدار نصف صاع اس لیے ہے کہ اس کی قیمت ایک صاع کھجور کے برابر ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، ہم زکوٰۃ الفطر ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام کی طرف سے ایک صاع کھانا یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش نکالا کرتے تھے۔ ہم برابر یہی فطرانہ دیتے رہے، حتیٰ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حج یا عمرہ کرنے کے لیے ہمارے پاس تشریف لائے، تو انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے بات چیت کی۔ ان باتوں میں یہ بھی تھا کہ میرے خیال میں شام کی گندم کے دو مد یہاں کے ایک صاع کھجور کے برابر ہیں۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ وہی صدقہ فطر دے رہا ہوں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دیا کرتا تھا، یعنی ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع جو یا ایک صاع پنیر۔

[مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر]

گندم کے نصف صاع کو دیگر اجناس کے ایک مد کے برابر قرار دینا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے اور قیاس نہ تھا، بلکہ دیگر حضرات صحابہ کرام کی رائے بھی ان کے موافق تھی۔ کیوں کہ یہاں (الناس) لوگوں سے مراد صحابہ اور تابعین ہی ہیں کہ جن سے حضرت معاویہ مخاطب تھے۔ صحابہ کرام کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے کے خلاف واضح حدیث موجود ہوتی تو وہ خاموش نہ رہتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اعلان سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نصف صاع گندم کو رواج دے چکے تھے۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُونَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ تَمْرٍ أَوْ سُلْتٍ أَوْ زَبِيبٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرَتِ الْحِنْطَةُ جَعَلَ عُمَرُ نِصْفَ صَاعٍ حِنْطَةٍ مَكَانَ صَاعٍ مِنْ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ---[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب کم یؤدی فی صدقة الفطر]

''لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں جو یا کھجور یا سلت (جو کی ایک قسم) یا کشمش کا ایک صاع صدقہ فطر ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گندم عام ہوگئی تو آپ نے گندم کا آدھا صاع ان تمام چیزوں کے صاع کے بدلے میں مقرر فرما دیا''---

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت میں گندم کے نصف صاع کو دیگر اجناس کے صاع کے برابر مقرر کرنے کا معاملہ یوں بیان ہوا ہے:

قَالَ أَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِزَکَاۃِ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیرٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَجَعَلَ النَّاسُ عِدْلَہُ مُدَّیْنِ مِنْ حِنْطَۃٍ---[بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب صاع من تمر]

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر میں کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع مقرر فرمایا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس کی جگہ دو مد گندم کے مقرر کر لیے''---

اس آخری روایت میں بھی لوگوں سے مراد صحابہ کرام اور تابعین ہی ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام علیہم الرضوان کی رائے میں بھی گندم کا نصف صاع دیگر اجناس کے صاع کے برابر سمجھا گیا ہے۔ اگر کوئی اور واضح دلیل نہ بھی ہو تو اتنی بات ہی کافی ہے کہ صحابہ کرام نے نصف صاع گندم کو باقی اجناس کے برابر سمجھا ہے۔ اس بحث کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ عہد نبوت اور عہد صحابہ سے ہی گندم کا نصف صاع بطور فطرہ مقرر ہے۔

فطرہ میں گندم کی قیمت ادا کرنا

ضروری نہیں کہ فطرہ میں گندم، کھجور، جو اور کشمش ہی دی جائے، ان کے بدلے میں ان کی قیمت ادا کرنا جائز ہے، خواہ وہ کسی بھی رائج کرنسی میں ہو، جیسے درہم، دینار، ریال، ڈالر، پونڈ یا روپیہ وغیرہ، حتیٰ کہ قیمتی گھریلو اشیاء جنہیں واقعی کام میں لایا یا بیچا جا سکتا ہو، بطور فطرہ دیا جا سکتا ہے، جیسے کپڑے وغیرہ۔ اس بات کی تائید روایات سے بھی ہوتی ہے اور عقل سے بھی۔

ابن ابی شیبہ نے عون سے روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کا خط دیکھا، جو والی بصرہ عدی کے نام لکھا گیا تھا۔ اس میں انہوں نے فرمایا کہ سرکاری ملازمین سے نصف درہم بطور فطرہ لیا جائے۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، جلد۴، صفحہ۳۷، ۳۸]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے، انہوں نے فرمایا کہ دراہم کے ذریعے فطرہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [حوالہ مذکورہ]

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ لوگ فطرہ میں کھانے کی قیمت ادا کیا کرتے تھے [حوالہ مذکورہ] یہاں لوگوں سے ان کی مراد صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

حضرت عطاء تابعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے کہ وہ چاندی کے درہموں سے صدقۂ فطر دیا کرتے تھے۔ [حوالہ مذکورہ]

صدقہ فطر میں جنس کی قیمت دینا اس ضرورت کو زیادہ حسن وخوبی سے پوری کرتا ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کی حکمت وفلسفہ اور مقصد کے طور پر بیان فرمایا ہے، یعنی عید کے دن فقراء کو مانگنے کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا جائے۔ موجودہ دور میں ضرورت مند شخص، مانگنے کی محتاجی سے تبھی بے نیاز ہوسکتا ہے جب گندم وغیرہ کی بجائے اسے رقوم ادا کر دی جائیں، تا کہ وہ اپنی ضرورت اور مرضی کے مطابق اشیاء خرید سکے۔ کیوں کہ پہلے وقتوں کے برعکس اب غریب شخص کی ضرورتیں متعدد ہیں۔ اسے کھانے کے ساتھ ساتھ لباس، تعلیم، بیماری کے علاج اور شادی بیاہ جیسی ضرورتیں بھی درپیش ہیں۔ اس میں نہ صرف فقراء کا فائدہ ہے بلکہ ادا کرنے میں بھی اسی میں سہولت ہے۔ عہد نبوی (ﷺ) میں درہم ودینار کی صورت میں کرنسی کم تھی اور عام لین دین غذائی اجناس کے ذریعے ہوتا تھا، اس لیے غذائی اجناس میں سے فطرہ نکالنے کی مقداریں متعین کی گئیں تا کہ دینے والوں کے لیے آسانی ہو۔ موجودہ دور میں عام لین دین کرنسی کے ذریعے ہوتا ہے اور اجناس کے ذریعے اس کا بہت کم رواج رہ گیا ہے۔ شہری زندگی میں بہت سے لوگ گندم رکھتے ہیں، نہ خریدتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں دیگر ممالک سے تعلیم یا روزگار کی غرض سے گئے ہوئے مسلمان نوجوان پکی پکائی روٹی پر اکتفا کرتے ہیں، ایسے افراد کو گندم وغیرہ سے فطرہ ادا کرنے کا پابند کرنا خواہ مخواہ کے تکلف کے سوا کچھ نہیں۔ فقراء بھی اجناس یا کھانے کی بجائے نقد رقوم لے کر خوش ہوتے ہیں، کیوں کہ اس طرح وہ اجناس بیچنے کے جھنجھٹ سے بچ جاتے ہیں اور ضرورت سے زائد کھانا لینے میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ پس موجودہ دور میں غذائی اجناس کی قیمت ادا کرنا ہی زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ حنفی فقہاء کا موقف یہی ہے، جب کہ دیگر فقہی مکاتب فکر میں اجناس کی قیمت ادا کرنے کو خلاف سنت قرار دیا گیا ہے۔

ادا کرنے کا مستحب وقت

مستحب امر یہ ہے کہ عید کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کیا جائے تا کہ رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل کی مکمل پیروی ہوجائے۔ حضور سید عالم ﷺ عید کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر نکالا کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ آج کے دن فقراء کو دربدر گھومنے کی رسوائی سے بے نیاز کردو [فتح القدیر، جلد۲، صفحہ۲۳۲] صدقہ فطر عید سے پہلے دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان فقراء بھی یکسوئی اور اطمینان قلب سے نماز عید ادا کرسکیں گے اور مانگنے میں مشغول ہوکر نماز عید سے غافل نہیں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ، وَ مَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ---[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الفطر]

''جس نے صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کر دیا تو اس کی طرف سے تو یہ زکوٰۃ الفطر مقبول ہوئی اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ دوسرے صدقات کی طرح کا ایک صدقہ ہے''---

پیشگی صدقہ فطر ادا کرنا

عید الفطر کے دن سے پہلے فطرہ دے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر چہ رمضان کا اختتام واجب ہونے کی شرط ہے جو کہ ابھی نہیں پائی گئی، مگر وہ افراد جن کی طرف سے ادا کیا جانا لازم ہے، وہ موجود ہیں اور صدقہ فطر واجب ہونے کا سبب یہی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ زکوٰۃ کا سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو درست ہو جاتی ہے۔ حضرت نافع، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُؤَدِّيهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِالْيَوْمِ وَ الْيَوْمَيْنِ---[ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الفطر]

''حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ لوگوں کے نماز عید کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دو۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عید سے ایک دو دن پہلے ادا کر دیا کرتے تھے''---

صدقہ فطر پیشگی ادا کرنے کا حکم مطلق ہے، اس لیے اہل علم و فقہ نے فرمایا کہ خواہ رمضان المبارک میں دے دیا جائے یا اس سے بھی پہلے ادا کر دیا جائے، جائز ہے۔ صحیح اور قابل ترجیح موقف یہی ہے لیکن بعض کا کہنا ہے کہ نصف رمضان میں ادا کرے تو جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اخیر عشرہ میں ادا کرنے سے ادا ہوگا، ورنہ نہیں۔ چوں کہ صدقہ فطر کا مقصد فقراء کو عید کے دن مانگنے کی محتاجی سے بے نیاز کرنا ہے، اس لئے یہ مقصد عید سے چند روز پہلے ادا کرنے سے بھی بخوبی پورا ہو جاتا ہے، بلکہ زمانہ حاضر میں عید کی ضرورتیں محض کھانا پینا نہیں، بلکہ لباس وغیرہ بھی عید کی ضرورتوں میں سے ہے، اس لیے چند روز پہلے صدقہ فطر ادا کرنا اس مقصد کو خوب پورا کرتا ہے اور رمضان المبارک سے پہلے ادا کرنے سے خدشہ ہے کہ محتاج آدمی اپنی دیگر ضرورتوں پر خرچ کر کے عید کے روز دوبارہ محتاج ہو جائے گا، اس لیے رمضان کا آخری عشرہ صدقہ فطر دینے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔

صدقۂ فطر ادا کرنے میں تاخیر کرنا

نماز عید کے بعد صدقہ فطر ادا کیا جائے تو اس کا وہ ثواب نہیں رہتا جو عید کی نماز سے پہلے ادا کرنے کا ہے۔ یہی مفہوم اوپر بیان کی گئی اس حدیث کا ہے، جس میں فرمایا کہ:

''جس نے نماز کے بعد صدقہ فطر دیا تو یہ ایک عام صدقہ ہوگا، دوسرے صدقات کی طرح''---

اگر عید کا دن گزر گیا اور صدقہ فطر ادا نہ کیا تو اس کا دینا ذمے رہے گا اور عید کا دن گزرنے سے ختم نہیں ہو جائے گا۔ کیوں کہ یہ ایک مالی عبادت ہے جو وقت گزرنے کے بعد ساقط (ختم) نہیں ہوتی۔ جیسا کہ زکوٰۃ، خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے اس کا ادا کرنا واجب رہتا ہے۔ لہٰذا صدقہ فطر جس کسی کے ذمے ہو، وہ زندگی میں جب بھی ادا کر دے، اس کے ذمے سے اتر جائے گا۔ مگر اہل علم کا اتفاق ہے کہ صدقہ فطر کو عید الفطر کے دن سے مؤخر کرنا حرام اور گناہ کا باعث ہے، جیسا کہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا حرام ہے۔[الفقہ الاسلامی و ادلتہ، جلد۲، صفحہ۹۱۲]

فطرہ کے مستحقین

اہل علم وفقہ کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ صدقہ فطر کے مستحق وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، یعنی جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسَاكِينِ وَ الْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَ الْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ○---[التوبۃ:۶۰]

''صدقات تو صرف فقراء اور مساکین، ان کی وصولی کے لیے مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مطلوب ہے۔ نیز، انسانی گردنوں کو غلامی سے آزادی دلانے، مقروضوں کو نجات دلانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں پر صدقات خرچ کیا جانا ضروری ہے''---

اس آیت میں بیان کیے گئے آٹھ مستحقین کو صدقہ فطر کے لیے مختص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ فطر بھی زکوٰۃ کی ایک قسم ہے، لہٰذا اس کا مصرف بھی وہی ہونا چاہیے جو زکوٰۃ کی دیگر اقسام کا ہے۔

[جاری ہے]

